مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمٰن مدنی

Web Site
www.Muhaddis.net

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

# محدث

اپریل ۲۰۰۲ء

- سعودی امن منصوبہ اور **اعلان بیروت!**
- غیر مسلموں سے مشابہت
- مسلمانوں کیلئے جدید علوم!
- کثیر منزلہ قبرستان کی شرعی حیثیت اور احکامِ قبور

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL PAKISTAN

مجلس التحقیق الاسلامی

## اہم اعلان

معزز قارئین کرام! کتاب وسنت ڈاٹ کام پر آن لائن مطالعہ اور ڈاؤن لوڈنگ کے لیے مہیا کیے جانے والے تمام یونی کوڈ رسائل وجرائد چونکہ سوفٹ ویئر کی مدد سے ان پیج سے یونی کوڈ میں تبدیل کیے جاتے ہیں لہذا ان میں اغلاط کا امکان بہرحال موجود ہے۔ یونی کوڈ فارمیٹ میں مہیا کرنے کا بنیادی مقصد سرچنگ میں سہولت پیدا کرنا ہے۔ لہذا آپ سے التماس ہے کہ برائے مہربانی غلطیوں سے محفوظ مواد کے حصول کے لیے پی ڈی ایف (PDF) فارمیٹ میں موجود فائلز کو ڈاؤن لوڈ کیجیے۔ نیز نوٹ فرمالیں کہ پی ڈی ایف (PDF) اور (Word) فائلز میں کسی بھی قسم کے اختلاف کی صورت میں ہمارے نزدیک (PDF) فائلز کو ترجیح ہوگی۔

## گھر بیٹھے محدث وصول کیجئے

معزز قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں:

فی شمارہ: 20 روپے　　زرسالانہ: 200 روپے　　بیرون ملک: 20 ڈالر سالانہ

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ 200 روپے بھیج کر سال بھر کے لیے گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں

ایڈریس: ماہنامہ محدث 99 جے بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700

فون نمبرز: 042-5866476,5866396,0321-4340803

نوٹ: برائے مہربانی ویب سائٹ کے ذریعے محدث آرڈر کرنے والے احباب ویب سائٹ کا حوالہ ضرور لکھیں۔ شکریہ

مزید تفصیلات کے لیے webmaster@KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.Mohaddis.com

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

# مُحدِّث

لاہور

حافظ عبدالرحمٰن مدنی
مدیر اعلیٰ

حافظ حسن مدنی
مدیر

جلد ۳۴ / شمارہ ۴
صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
اپریل ۲۰۰۲ء

زرسالانہ ۲۰۰/روپے
فی شمارہ ۲۰/روپے

بیرونِ ممالک
زرسالانہ ۲۰/ڈالر
فی شمارہ ۲/ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
Ph: 5866476, 5866396, 583940
Email: hhasan@wol.net.pk

## فہرست مضامین

**فکر و نظر**

سعودی اَمن منصوبہ اور اعلانِ بیروت! — اِداریہ — ۲

**کتاب وحکمت**

بنی اسرائیل پر ۴۰ برس سایہ رہا یا بارش؟ — حافظ عبداللہ روپڑیؒ — ۱۰

**دار الإفتاء**

حرمین کے علاوہ اعتکاف، مسئلہ رضاعت — حافظ ثناء اللہ مدنی — ۱۳

**فقہ و اجتہاد**

**احکام قبور** اور کثیر منزلہ قبرستان کی شرعی حیثیت — حافظ مبشر حسین لاہوری — ۱۸

**تہذیب و ثقافت**

غیر مسلم اقوام سے مشابہت.....!؟ — ڈاکٹر خالد ظفر اللہ — ۳۱

میں پردہ کیوں کروں.....؟ — اعجاز حسن — ۴۶

**تعلیم و تعلّم**

مسلمانوں کیلئے جدید علوم کی ضرورت واہمیت — محمد آصف احسان — ۵۲

**یاد رفتگاں**

امام کعبہ شیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل کا سانحۂ ارتحال — محمد اسلم صدیق — ۶۳

☆ علاقائی اتحاد کے باوجود افتراقِ ملت! — ایک مراسلہ — ۶۸

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madar
Printer: Shirkat Printing Press, Lahore

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر ونظر

# سعودی امن منصوبہ اور اعلانِ بیروت

## عراق اور کویت کی باہمی مفاہمت

لبنان کے دارالحکومت بیروت میں ۲۸/ مارچ ۲۰۰۲ء کو ختم ہونے والی عرب سربراہ کانفرنس نے مشرقِ وسطیٰ میں قیامِ امن کے لئے سعودی عرب کی جانب سے پیش کردہ امن منصوبہ کی بالآخر منظوری دے دی ہے۔ اس منصوبہ پر عمل درآمد کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی بھی قائم کردی گئی ہے۔ کانفرنس کے اختتام پر جاری کردہ 'اعلانِ بیروت' کا دوسرا اہم نکتہ عراق اور کویت کے درمیان مکمل مفاہمت کا اعلان ہے۔ کانفرنس کے دوران عراق نے تحریری طور پر یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ کویت پر کبھی حملہ نہیں کرے گا۔ عرب سربراہ کانفرنس کے شرکا نے عراق پر کسی بھی ممکنہ فوجی حملے کی حمایت کے امکان کو مسترد کردیا۔ عرب لیڈروں نے خلیجی جنگ کے دو حریف ملکوں میں مفاہمت کا خیر مقدم کرتے ہوئے عراق کے کویت پر حملہ نہ کرنے کے فیصلہ کو سراہا۔ عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عمرو موسیٰ نے کہا کہ قرارداد کو تمام ۲۲ ممالک نے متفقہ طور پر منظور کیا ہے۔ اسرائیل نے حسبِ توقع اس امن منصوبہ کو مسترد کردیا ہے۔ (روزنامہ جنگ، نوائے وقت: ۲۸/ مارچ ۲۰۰۲ء)

مشرقِ وسطیٰ میں امن کے قیام کی جدوجہد نے اس وقت اچانک نئی صورتحال اختیار کرلی جب چند ہفتے قبل سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز آلِ سعود نے امریکی روزنامہ نیویارک ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر اسرائیل ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں مقبوضہ عرب علاقے فلسطین کو واپس کردے تو عرب ممالک اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے غور کریں گے۔ شہزادہ عبداللہ نے جو امن منصوبہ پیش کیا، اس کے تین اہم نکات یہ ہیں:

۱) اسرائیل نے ۱۹۶۷ء اور اس کے بعد جن عرب علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے، انہیں خالی کردے۔

۲) فلسطین کی آزاد ریاست کو جس کا دارالحکومت بیت المقدس (مشرقی حصہ) ہو، تسلیم کرلے۔

۳) اسرائیل کے علاقے سے جن فلسطینیوں کو طاقت کے ذریعہ نکالا گیا ہے، انہیں اپنے گھروں کو واپس

www.KitaboSunnat.com

آنے کی اجازت دے دی جائے۔

شہزادہ عبداللہ کے مذکورہ انٹرویو کے منظر عام پر آنے کے فوراً بعد اسرائیل کے وزیراعظم ایریل شیرون نے اس کا خیرمقدم کیا تھا، حتیٰ کہ یہ بھی اعلان کیا تھا کہ وہ اس منصوبہ پر مزید مذاکرات کے لئے ریاض (سعودی دارالحکومت) جانے کو تیار ہیں اور اگر شہزادہ عبداللہ اسرائیل کا دورہ کرنا پسند کریں تو ان کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ امریکہ، اقوامِ متحدہ اور یورپ سمیت دنیا بھر میں اس امن منصوبہ کو مثبت سوچ قرار دیا گیا۔ البتہ اس وقت بھی عراق کے صدر صدام حسین نے بیان دیا تھا کہ سعودی عرب کو فلسطینیوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیا جاسکتا۔ اُس وقت شہزادہ عبداللہ آلِ سعود نے وضاحت پیش کی تھی کہ اس وقت یہ محض ایک خیال ہے، اسے وہ ۲۸/ مارچ کو ہونے والی عرب سربراہ کانفرنس میں پیش کریں گے، اس کی حتمی منظوری کا اختیار کانفرنس کو ہوگا۔ اس وقت اسرائیل کی انتہا پسند یہودی جماعتوں نے اس منصوبہ کی مخالفت کی تھی اور اسے اسرائیل کے وجود کے لئے خطرہ قرار دیا تھا۔

۲۷/ مارچ کو جب بیروت میں عرب سربراہ کانفرنس شروع ہوئی تو ابتدا ہی میں ایسی پریشان کن صورتحال پیدا ہوگئی کہ اس کانفرنس کی کامیابی کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار کیا جانے لگا۔ ۲۲ میں سے ۱۰ عرب سربراہوں نے شخصی طور پر اس میں شرکت سے معذوری کا اظہار کردیا۔ ان میں نمایاں ترین مصر کے صدر حسنی مبارک، اُردن کے بادشاہ عبداللہ اور لیبیا کے صدر کرنل معمر قذافی تھے۔ حسنی مبارک اور شاہ عبداللہ نے اسرائیل کی طرف سے یاسر عرفات کو اس کانفرنس میں شرکت کی اجازت نہ دینے کے فیصلے کے خلاف احتجاج کے طور پر اس کانفرنس میں شرکت نہ کی۔ اس وقت نازک صورت حال پیدا ہوگئی جب لبنان کے صدر نے یاسر عرفات کے سیٹلائٹ کے ذریعے ویڈیو خطاب کی بھی اجازت دینے سے انکار کردیا، اس پر فلسطین سے آئے ہوئے وفد کے ارکان نے کانفرنس سے 'واک آؤٹ' کا اعلان کردیا۔ پھر اسی دن اسرائیل میں ایک فدائی حملے میں اسرائیل کے ۲۱/ افراد مارے گئے تو اسرائیل کی طرف سے فلسطین کے ہیڈکوارٹر پر شدید حملہ کردیا گیا۔ ان تمام ناسازگار عوامل کی موجودگی میں عرب سربراہ کانفرنس کا کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچنا اور اہم چونکا دینے والے 'دلیرانہ' فیصلے کرنا یقیناً ایک خوشگوار حیرت کا حامل معاملہ ہے۔ ان سب رکاوٹوں کے باوجود سعودی عرب کا اپنے پیش کردہ امن منصوبے کو کانفرنس سے متفقہ طور پر منظور کرالینا بہرحال ایک عظیم سفارتی کامیابی قرار دیے جانے کے لائق ہے۔ سعودی عرب کے وزیرخارجہ سعود الفیصل نے درست کہا ہے کہ اب یہ منصوبہ 'عرب منصوبہ' کی شکل اختیار کرگیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

۱۹۴۸ء میں یورپی اقوام نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد ارضِ فلسطین پر صہیونی ریاست کو زبردستی قائم کرا دیا، اس وقت سے لے کر اب تک فلسطین کی تاریخ ایک نہ ختم ہونے والی خون چکاں داستانِ الم کی صورت دھار چکی ہے۔ ہزاروں سال سے بسنے والے لاکھوں فلسطینی مسلمانوں کو اپنے گھروں کو خیر باد کہہ کر قریبی مسلمان ممالک میں ہجرت اختیار کرنی پڑی۔ عرب ممالک نے ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء میں اسرائیل سے ارضِ مقدس کو آزاد کرانے کے لئے خون ریز جنگیں بھی لڑیں، مگر امریکہ اور یورپ کی پشت پناہی اور عملی امداد کی وجہ سے وہ فلسطین کے سینے میں پیدا شدہ اس ناسور کو ختم کرنے میں ناکام ہی نہ رہے بلکہ ہر تصادم کے بعد مزید علاقوں سے محرومی کے صدمات سے بھی دوچار ہوتے رہے۔

اسرائیل کے وحشی درندوں نے فلسطینی مہاجرین کو بھی سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ ۱۹۸۲ء میں بیروت کے قریب شتیلہ اور صابرہ نام کے فلسطینی کیمپوں پر اسرائیل نے وحشیانہ حملہ کرکے ۲۰ ہزار سے زائد فلسطینی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو شہید کر دیا۔ اُردن کے مغربی کنارے اور دیگر مقبوضہ علاقوں میں یہودیوں کی آبادکاری سے بچے کھچے فلسطینیوں کی زندگی کو جہنم زار بنا دیا گیا۔ جو فلسطینی اسرائیل کی ناجائز ریاست کی حدود میں رہنے پر مصر تھے، ان پر ہر ظلم روا رکھا گیا۔ بدنصیب فلسطینی مسلمان کسی ایسے دن کو ترس گئے، جب ان کے علاقوں سے یہودی غاصبوں کے ظلم وستم سے شہادت پانے والے جوانوں کے جنازے نہ اٹھائے گئے ہوں۔

۱۹۸۹ء سے 'انتفاضہ' تحریک کی صورت میں فلسطین کی جدوجہدِ آزادی نے نئی صورت اختیار کرلی۔ بے بس فلسطینی نوجوانوں نے یہودی ٹینکوں اور راکٹوں کے مقابلے میں غلیلوں کے ذریعے مقابلہ شروع کر دیا۔ یاسر عرفات کی قیادت میں فلسطینی مجاہدین کے 'الفتح' گروپ نے ایک طویل تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد بالآخر سیاسی مفاہمت کا رستہ اختیار کیا۔ چند سال پہلے 'اوسلو' کا معاہدہ سامنے آیا جس کی رو سے غزہ کی پٹی پر فلسطینی اتھارٹی کا قیام عمل میں لایا گیا مگر حماس اور دیگر فلسطینی گروہوں نے اس معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے فلسطین کی مکمل آزادی تک اپنی جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ گذشتہ اٹھارہ ماہ کے دوران حماس کے مجاہدین نے فدائی حملوں کے ذریعے اسرائیلی وحشت ودرندگی کا مقابلہ شروع کیا ہے۔ صہیونی مظالم تو پہلے بھی کم نہ تھے، مگر ان فدائی حملوں نے صہیونیوں کو پاگل جنونی بنا کے رکھ دیا ہے۔ آئے روز یہودی ٹینک فلسطینی علاقوں کو مسمار کر رہے ہیں اور ان کے جنگی جہاز اہم عمارتوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ گذشتہ چار ماہ سے اسرائیل نے یاسر عرفات کو 'رملہ' میں عملاً قید کر رکھا ہے اور ان کے

www.KitaboSunnat.com

ہیڈکوارٹر پر جارحانہ حملے جاری ہیں۔ یاسر عرفات کی اپنی ذات عدمِ تحفظ کا شکار ہے۔ ان حالات میں اسرائیلی درندوں کے خلاف مسلمانوں بالخصوص فلسطینیوں کے دل میں نفرت کا جو لاوا پک رہا ہے، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

نفرت اور اشتعال کی اس شدید فضا میں سعودی امن منصوبہ کا سامنے لایا جانا یقیناً ایک 'جرأت مندانہ' اقدام ہے۔ اُصولی طور پر دیکھا جائے تو یہ فیصلہ مسئلہ فلسطین کے متعلق اب تک عرب مسلمانوں کے متفق علیہ موقف سے ایک واشگاف دستبرداری ہے۔ اب تک مسلمانوں کا یہ موقف رہا ہے کہ ارضِ فلسطین پر اسرائیل کا قیام ناجائز ہے اور مسلمان ممالک نے، سوائے ترکی اور مصر کے، اسرائیل کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا ہے۔ اعلانِ بیروت ظاہر کرتا ہے کہ عرب قیادت تمام فلسطین سے اپنے جائز استحقاق کو چھوڑنے پر ذہنی طور پر آمادہ ہوگئی ہے اور حالات کی ستم ظریفیوں نے انہیں مایوسی کے ایسے اندھے غار میں دھکیل دیا ہے کہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنے کے علاوہ ان کے پاس اب کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ بات اسرائیل کے مقابلے کی ہوتی تو شاید وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہتے، مگر ان کا مقابلہ امریکہ اور یورپی اقوام کی متحدہ سیاسی وعسکری قوت سے ہے جنہوں نے انتہائی ڈھٹائی سے اسرائیل کی پشت پناہی کو ہمیشہ اپنی خارجہ پالیسی اور قومی مفادات کا مرکزی نقطہ بنا رکھا ہے۔

اعلانِ بیروت کی ایک اور تعبیر بھی کی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ شہزادہ عبداللہ نے مشرقِ وسطیٰ میں اس منصوبہ کو پیش کرکے ایک 'سیاسی چال' چلی ہے۔ ان کی اس 'سیاسی چال' نے امریکہ اور اسرائیل دونوں کو بھونچکا کے رکھ دیا ہے۔ اسے 'سیاستِ مدن' کا نام بھی دیا جارہا ہے۔ عرب سفارت کاری کے میدان میں یہودیوں کی فریب کاریوں سے ہمیشہ مات کھاتے رہے ہیں، یہ غالباً پہلا موقع ہے کہ صاف گو، کھردرے مزاج اور سادہ طبیعت کے حامل عربوں نے سفارت کاری اور بین الاقوامی سیاست کی بساط پر ایک ایسا مہرہ چلا ہے کہ جن کا فوری توڑ پیش کرنا امریکہ اور اسرائیل دونوں کے لئے مشکل دکھائی دیتا ہے۔

گذشتہ کئی برسوں سے امریکہ عرب ممالک پر زور دیتا رہا ہے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرلیں۔ اب سعودی امن منصوبہ کو منظور کرکے عربوں نے بال امریکہ اور اسرائیل کے کورٹ میں پھینک دی ہے۔ اس امن منصوبہ میں جن اہم شرائط کو شامل کیا گیا ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے جسے اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی صورت میں اخلاقی حمایت حاصل نہ ہو۔ اقوامِ متحدہ نے اپنی قراردادوں کے ذریعے اسرائیل کو ۱۹۶۷ء کے بعد قبضہ میں لینے والے علاقے خالی کرنے کو کئی بار کہا ہے اور امریکہ بھی اس قرار

www.KitaboSunnat.com

داد کی حمایت کرتا رہا ہے۔

اسرائیل نے سعودی امن منصوبہ کی جس شق پر اعتراض کر کے اس منصوبہ کو مسترد کر دیا ہے، اس کا تعلق اسرائیل کے علاقہ سے نکالے گئے فلسطینیوں کی دوبارہ اسرائیل میں بحالی سے ہے۔ اسرائیلی قیادت کا کہنا ہے کہ اس شرط کو مان لینے سے اسرائیل تباہ ہوجائے گا اور ایک کی بجائے دو فلسطین قائم ہوجائیں گے۔ اقوامِ متحدہ کی قرار داد نمبر ۱۹۴، جو ۱۹۴۸ء میں منظور کی گئی تھی، اس میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ فلسطینی مہاجرین جنہیں طاقت کے زور سے اپنے وطن سے نکال دیا گیا تھا، اگر وہ واپس نہ آنا چاہیں تو اسرائیل انہیں بے دخل کرنے پر مالی معاوضہ ادا کرے۔ یہاں غور کے قابل یہ نکتہ ہے کہ اسرائیل اس امن منصوبہ کو مسترد کرنے کے لئے جو بے ہودہ دلیل پیش کرتا ہے، وہ خود اس کے خلاف جاتی ہے۔

اسرائیل فلسطین سے ہزاروں سال پہلے نقل مکانی کرنے والے یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری کو تو محض اس بنیاد پر ان کا حق قرار دیتا ہے کہ یہ ان کا موروثی وطن ہے، مگر وہ محض پچاس سال پہلے سے نکالے گئے فلسطینیوں کے حق کو تسلیم نہیں کرتا جو فلسطین کے اصل مالک ہیں۔ مارچ کے پہلے ہفتے کے دوران جب سعودی امن منصوبہ سامنے آیا تھا تو اسرائیل نے فوری طور پر اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ اب جب کہ انہوں نے یہ منصوبہ مسترد کر دیا ہے تو معلوم ہوتا ہے ان کا مذکورہ خیر مقدم بھی ایک 'صہیونی چال' تھی۔ ایریل شیرون کا خیال تھا کہ اس کے خیر مقدم کے اعلان سے عرب ریاستوں میں شدید ردعمل سامنے آئے گا اور عرب آپس میں ہی لڑ پڑیں گے، مگر خیر مقدم کے اعلان کا فوری فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے خلاف فدائی حملے رک جائیں گے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ منصوبہ محض خیال اور 'اعلان' تک ہی محدود رہے گا، کسی عملی پیش قدمی کا موجب نہیں ہوگا۔

ایرل شیرون کا اندازہ کچھ اتنا غلط بھی نہیں تھا کیونکہ فلسطینیوں کی ایک مؤثر تنظیم 'حماس' نے اب بھی اس منصوبہ کو مسترد کر دیا ہے۔ اسامہ بن لادن کی طرف سے بھی (مبینہ طور پر) ایک عرب اخبار نے ای میل شائع کیا ہے جس میں اسامہ نے اس منصوبہ کو امریکی سازش قرار دیا ہے اور شہزادہ عبداللہ کو امریکی پٹھو کہا ہے۔ مگر فلسطینی ریاست کے سربراہ یاسر عرفات نے اس امن منصوبہ کو جرأت مندانہ اور قابل قبول اقدام قرار دے کر صہیونی چال کو ناکام بنا دیا ہے۔ اسرائیل بہت برے طریقے سے بے نقاب ہوگیا ہے کہ وہ مشرقِ وسطیٰ میں پائیدار امن کے قیام کے لئے سنجیدہ نہیں ہے۔ چونکہ اسے یقین ہوگیا ہے کہ عرب ریاستیں اسے فوجی اقدام کے ذریعہ ختم نہیں کرسکتیں، اسی لئے وہ آج ان شرائط پر صلح کے لئے بھی تیار

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے، جن کو تسلیم کرنے کے لئے وہ ہمیشہ رضا مندی کا اظہار کرتا رہا ہے۔

امریکہ کی طرف سے بھی اعلانِ بیروت کا خیر مقدم تو کیا گیا ہے مگر اس کا ردعمل نیم دلانہ اور معنی خیز ہے۔ امریکی وزارتِ خارجہ کے ترجمان رچرڈ باؤچر نے کہا ہے کہ امریکہ اسے کوئی منصوبہ (Plan) تصور نہیں کرتا بلکہ ابھی تک یہ محض ایک 'خیال' (Vision) ہے..... آج سے چند ہفتے پہلے جب پہلی مرتبہ سعودی امن منصوبہ سامنے آیا تھا تو امریکہ نے اس پر نہایت مثبت ردعمل کا اظہار کیا تھا، اس وقت اس کے ذہین سفارت کاروں کے ذہن میں اس طرح کی موشگافی نہیں آئی تھی، مگر اب اسرائیل کے موڈ کو دیکھتے ہوئے اس کے صہیونیت پرست حکمرانوں نے اس منصوبہ میں کیڑے نکالنا شروع کر دیئے ہیں۔ اب انہیں یہ محض ایک 'بصیرت' ہی نظر آتا ہے حالانکہ کانفرنس کی منظوری کے بعد یہ خیال ایک 'عملی حقیقت' کا روپ دھارنے کا منتظر ہے۔ عربوں نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ اب اس 'خیال' کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری اسرائیل اور اس کے 'مربی' امریکہ کی ہے۔

امریکہ کی سوچ دیکھتے ہوئے ان لوگوں کے یہ خدشات درست معلوم نہیں ہوتے جو سعودی امن منصوبہ کو بنیادی طور پر امریکی امن منصوبہ قرار دیتے رہے ہیں۔ اگر یہ امریکی منصوبہ ہوتا، تو اسرائیل اسے مسترد کبھی نہ کرتا۔ بلکہ اسرائیل کی پیشگی منظوری کے بغیر امریکہ اسے آگے بڑھانے کا خطرہ کبھی مول نہ لیتا۔ بہرحال اصولی طور پر سعودی امن منصوبہ کے درست ہونے یا نہ ہونے میں تو کلام ہوسکتا ہے، اس کے حق میں اور مخالفت میں دلائل دینے کی گنجائش بھی موجود ہے، یہ ایک حقیقت پسندانہ حکمتِ عملی ہے یا غیر دانش مندانہ عجلت پسندی، اس کے بارے میں حتمی رائے فی الحال قائم کرنا مشکل ہے۔ مگر ایک بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ منصوبہ مشرقِ وسطیٰ میں امن کے قیام کے حوالے سے ایک تاریخی پیش رفت ہے۔

..... ( ۲ ) .....

اعلانِ بیروت کی ایک نہایت اہم پیش رفت عراق اور کویت کے درمیان مفاہمت کا اعلان ہے۔ بیروت میں طے پانے والی اس مفاہمت کا اعلان کرتے ہوئے قطر کے وزیر خارجہ شیخ حامد بن جاسم آلِ ثانی نے یہ خوش آئند اعلان کیا کہ دونوں ملکوں کے درمیان سارے معاملات حتمی طور پر طے پا گئے ہیں اور عراق نے کویت کو آئندہ کوئی فوجی کارروائی نہ کرنے کی مکمل یقین دہانی کرا دی ہے۔ عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عمرو موسیٰ نے بھی اس مفاہمت کو حتمی اور یقینی قرار دیا ہے اور خود کویت کے نائب وزیراعظم نے اس سمجھوتے پر اپنے سو فیصد مطمئن ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اس تاریخی مفاہمت میں سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ نے اہم کردار ادا کیا۔ گیارہ سال کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے عراق

www.KitaboSunnat.com

کے وزیراعظم عزت ابراہیم کے ساتھ معانقہ کیا۔ یہ معانقہ 'عرب اُخوت' کی بحالی کا علامتی اظہار تھا۔ ۱۹۹۰ء میں عراق کی طرف سے کویت کے خلاف فوجی جارحیت کے بعد سے علاقے میں مستقل طور پر غیر یقینی صورتحال چلی آ رہی تھی۔ اب تو امریکی ذرائع ابلاغ بھی یہ تصدیق کر چکے ہیں کہ خلیجی جنگ امریکی حکمتِ عملی کا نتیجہ تھی۔ امریکہ نے خلیج کے تیل پیدا کرنے والے ممالک میں اپنی مستقل موجودگی کو یقینی بنانے کے لئے عراق کو کویت پر قبضہ کرنے کا 'گرین سگنل' دیا۔ اس وقت عراق میں متعین امریکی خاتون سفیر نے صدام حسین سے ملاقات کر کے اسے اپنی حکومت کی طرف سے عدمِ مداخلت کی یقین دہانی کرائی تھی۔ جب صدام حسین نے پیش قدمی کی تو امریکہ نے واویلا مچا دیا اور یورپی دنیا کو جمع کر کے اتحادی افواج کے ذریعے عراق کی فوجی قوت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

خلیجی جنگ نے نہ صرف عراق کو تباہ کیا بلکہ اس کے منفی اثرات پورے علاقہ پر پڑے۔ امریکہ نے صدام حسین کا ہوا دکھا کر سعودی عرب اور عرب امارات میں فوجی اڈے قائم کر رکھے ہیں۔ حجاز مقدس میں امریکی استعماری افواج کی موجودگی ہمیشہ تشویش کا باعث بنتی رہی ہے۔ سعودی حکومت کو اپنے عوام کی طرف سے امریکی افواج کی وجہ سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ گاہے بگاہے شہزادہ عبداللہ اور دیگر سعودی حکام کی طرف سے امریکی افواج کے سعودی عرب سے چلے جانے کے متعلق بیانات بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ امریکہ نے افغانستان پر بمباری کے لئے جب نئے اڈوں کی درخواست کی، تو پہلے پہل سعودی حکومت نے سخت مزاحمت کی، بعد میں وہ امریکی دباؤ کا سامنا نہ کر سکی، سعودی عرب میں یہ احساس بھی پایا جاتا ہے کہ امریکہ اپنی افواج کو مستقل طور پر سعودی عرب میں رکھ کر اس مقدس سرزمین کی پاکیزہ ثقافت کو بھی تباہ کرنا چاہتا ہے۔ سعودی شہروں میں امریکی خواتین فوجیوں کی وجہ سے کئی دفعہ امن عامہ کی صورتِ حال بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

افغانستان سے دہشت گردی کے نام پر طالبان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد امریکی صدر جارج بش کی طرف سے 'برائی کی محور' ریاستوں کا شوشہ کھڑا کیا گیا، ان میں عراق سرفہرست ہے۔ شروع سے ہی امریکہ عراق پر دوبارہ حملہ کرنے کی دھمکیاں دیتا آیا ہے۔ کبھی 'انتھراکس' کا بہانہ بنایا جاتا ہے، تو کبھی کیمیکل ہتھیاروں کی کہانی گھڑی جاتی ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ عراق دہشت گردوں کی سرپرستی کر رہا ہے۔ یورپی ممالک کی طرف سے ابھی تک امریکی منصوبہ کی حمایت نہیں کی گئی، ورنہ حالات کچھ ایسے تھے کہ امریکہ اپنی ریاستی دہشت گردی پر تلا ہوا ہے۔ ادھر عرب ممالک کا بھی خیال ہے کہ عراق پر حملہ کا اب کوئی جواز نہیں ہے، سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک نے عراق پر ممکنہ امریکی حملے کی حمایت نہیں کی

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ادھر صدام حسین بھی سخت خدشات کا شکار ہے۔ امریکہ واضح اعلان کر چکا ہے کہ وہ صدام حسین کی حکومت کا خاتمہ کر کے رہے گا۔ ان حالات میں صدام حسین کو بھی اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی پڑی ہے۔ اب جبکہ صدام حسین نے کویت پر حملہ نہ کرنے کی یقین دہانی کرائی ہے تو امریکہ کے لئے فی الواقع ایک مشکل صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے۔

اس نئی پیش رفت کے بعد امریکی افواج کی سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک میں موجودگی کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ صدام حسین کا ہوا دکھا کر امریکہ اب عرب ممالک کی حمایت بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ امریکہ کبھی نہیں چاہے گا کہ عرب ممالک اور صدام حسین کے درمیان مستقل بنیادوں پر مفاہمت قائم ہوجائے۔ اسرائیل بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کی فوجی طاقت کا اصل حریف ہمیشہ عراق ہی رہا ہے۔ خلیجی جنگ میں عراق نے اسرائیل پر بھی سکڈ میزائل گرائے تھے اور بہت عرصہ پہلے اسرائیل نے عراق کا ایٹمی ری ایکٹر تباہ کر دیا تھا۔ عراق اور عرب ممالک میں مفاہمت ایک اعتبار سے امریکی ڈپلومیسی کی ناکامی بھی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک امریکی اثر ورسوخ اور ناروا دباؤ سے باہر آنے کے لئے کتنے بے چین ہیں۔

سعودی عرب کی حکومت نے ۱۹۹۱ء میں بادلِ نخواستہ عراق کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا تھا مگر یہ فیصلہ ہمیشہ ان کے ضمیر پر بوجھ ہی رہا ہے کہ ایک عرب برادر ملک کے خلاف سعودی افواج نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اعلانِ بیروت کے بعد اس خطے میں امریکی مفادات کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل عرب ممالک کے درمیان اس مثبت پیش رفت کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلیں گے؟ اس کا امکان بہت کم نظر آتا ہے۔ امریکی سی آئی اے اور صہیونی ایجنسیاں اس مفاہمت کو ناکام بنانے کے لئے اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لائیں گی۔

سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کو محض اعلانِ بیروت پر ہی قناعت نہیں کرنی چاہئے۔ انہیں چاہئے کہ وہ نہایت مہارت اور دانش مندی سے صہیونی عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے ابھی سے مؤثر حکمتِ عملی وضع کریں۔ صدر صدام حسین کو بھی چاہئے کہ وہ کھلے دل سے اس مفاہمت کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی ذاتی انا کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنا کردار ادا کریں۔ کیا بعید ہے کہ عراق اور کویت کے درمیان مفاہمت منتشر اور فساد زدہ عالم اسلام کے اتحاد کے لئے پہلا سنگِ میل ثابت ہو!؟۔ اگر ایسا ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی تقدیر کب بدل جائے!؟ (محمد عطاء اللہ صدیقی)

www.KitaboSunnat.com

کتاب وحکمت

حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

# بنی اسرائیل پر ۴۰ برس سایہ رہا یا بارش؟

قرآنِ کریم کی آیت ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ کی تفسیر ان دنوں بعض مفسرین نے اس طرز پر کی ہے جو تفسیر سلف کے مخالف ہے۔ چنانچہ ایک نامور مفسر آیتِ کریمہ ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ (البقرۃ:۵۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فی واد التیه أی أرسلنا السماء علیکم مدرارا لأن بني إسرائیل أقاموا فی واد التیه أربعین سنة فکیف یکون المراد الظل المعروف فافهم لقوله تعالی ﴿فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾

''ہم (اللہ) نے جنگل میں بنی اسرائیل پر بارش اُتاری..... جو لوگ سایہ کا معنی کرتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ بنی اسرائیل جنگل میں چالیس سال ٹھہرے تو سایہ کا معنی کیسے صحیح ہوسکتا ہے اللہ فرماتا ہے ﴿فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ یعنی شام کی زمین ان پر چالیس سال حرام ہے۔''

"فکیف یکون المراد الظلّ المعروف" سے اشارہ کرتے ہیں کہ جو معنی صحابہؓ نے کئے ہیں کہ ''بنی اسرائیل بیابان میں جب گرمی سے تنگ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ابر کا ٹھنڈا سایہ کیا اور یہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا''..... وہ غلط ہیں۔

غلط ہونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے، اس میں دو احتمال ہیں: یا تو یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل جنگل میں چالیس سال رہے تو اتنی مدت ابر کا سایہ ہونا عادۃً ناممکن ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ابر کا سایہ تو ان پر آرام کی خاطر ہوا تھا اور چالیس سال تک ابر کا سایہ رہنا باعثِ راحت نہیں بلکہ باعثِ تکلیف ہے کیونکہ کسی وقت انسان کا دل دھوپ کو بھی چاہتا ہے۔ اگر پہلا احتمال ہو تو تمام معجزات سے اِنکار لازم آئے گا کیونکہ معجزہ کہتے ہی اسے ہیں جو عادۃً ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ وہاں کثرت سے بارش ہونا، یہ بھی عادۃً ناممکن ہے کیونکہ اس ملک (مصر کے علاقہ) میں بارش نہیں ہوتی۔

اگر دوسرا احتمال ہو تو یہ بھی صحیح نہیں، اوّلاً: اس لئے کہ جن ملکوں میں بارہ مہینے گرمی رہتی ہے یا متوسط ہیں، ان میں بارہ مہینے سایہ باعثِ راحت ہے۔

ثانیاً: اس لئے کہ کسی روایت میں یہ وارد نہیں ہوا کہ سایہ تمام جنگل میں تھا۔ ممکن ہے کہ بہت جگہ دھوپ ہو بلکہ ظاہر یہی ہے کہ کیونکہ تمام جنگل میں سایہ کی کیا ضرورت تھی، صرف ان کے ڈیروں پر سایہ ہونا

www.KitaboSunnat.com

کافی تھا تو اگر کسی وقت ان کا دل دھوپ کو چاہتا تھا تو دھوپ سے یہی فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔

ثالثاً: اسلئے کہ جو اعتراض آپ سلف کی تفسیر پر کرتے ہیں، وہی اعتراض آپ کی تفسیر پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ جس طرح بارہ مہینے ابر کا سایہ باعثِ تکلیف ہے، اسی طرح بارہ مہینے بارش بھی باعثِ تکلیف ہے بلکہ سایہ تو انسان برداشت کرسکتا ہے، بارش کو برداشت کرنا مشکل ہے۔ اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ وقتاً فوقتاً حسب ِضرورت ان پر بارش ہوتی تھی تو یہی ابر کے سایہ کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے۔

رابعاً: اس لئے کہ بارش کے اصل فائدہ (یعنی اناج وغیرہ کا پیدا ہونا) سے تو وہ محروم تھے، اسی واسطے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ﴿لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا .....الاية﴾ یعنی ''ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کرسکتے، خدا سے دعا مانگ کہ ہمارے لئے ساگ، ککڑی، گیہوں اور مسور وغیرہ زمین سے پیدا کرے'' اگر یہ چیزیں وہاں پیدا ہوتیں تو موسیٰ علیہ السلام کو دعا کے لئے نہ کہتے اور موسیٰ علیہ السلام ان کو یہ جواب نہ دیتے کہ ان چیزوں کے لئے خدا سے دعا مانگنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ چیزیں شہروں میں مل سکتی ہیں۔ جب بارش کے اصل فائدہ سے محروم تھے تو بارش کیوں ہوتی تھی؟

اگر گرمی دور کرنے کے لئے ہوتی تھی جیسا کہ معروف ہے تو یہ بات ظاہر ہے کہ بارش کے ساتھ دو چار روز آرام رہتا ہے پھر دھوپ کی وجہ سے ویسی ہی حالت ہوجاتی ہے بلکہ زمین جب اپنے بخارات چھوڑ دیتی ہے تو تکلیف مزید بڑھ جاتی ہے۔ پھر ان دو چار روز کے آرام کے ساتھ بارش کی تکلیف کتنی ہے خصوصاً جنگل والوں کو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ابتدائی پرصعوبت حالت کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی ہے[1] چنانچہ فرماتا ہے:

﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَّجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ (البقرۃ:۱۹) ''یا مانند بارش کے جس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہے، لوگ موت کے ڈر سے انگلیاں کانوں میں رکھتے ہیں۔''

اور اگر کسی اور غرض سے ہوتی تھی تو اس کو بیان کرکے تاریخ وغیرہ سے اس کا حوالہ دے دینا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بارش کو محل احسان میں ذکر فرمایا ہے اور احسان اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب اس کا کوئی معقول فائدہ بتایا جائے ورنہ ایسی بارش تو سوائے تکلیف کے کچھ فائدہ نہیں رکھتی۔

خامساً: اس لئے کہ اگر ان پر بارش ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام سے پانی کیوں مانگتے، جبکہ انہوں نے پانی مانگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ، الاية﴾ (البقرۃ:۶۰)

---

(۱) یہ تشبیہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں ایسی تکالیف ہوتی ہیں جیسے ابتدائے بارش میں۔ کیونکہ ابتدا میں اسلام غریب ہوتا ہے اور اس کے مددگار بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور مخالفین زیادہ۔

www.KitaboSunnat.com

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کیلئے پانی مانگا تو ہم نے کہا، اپنی لاٹھی کے ساتھ پتھر کو مار''

سادساً: اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) تھے، ان پر یہ احسان جتلایا گیا ہے تو وہ ضرور اس آیت کا صحیح معنی سمجھے ہوں گے کیونکہ اگر وہ بھی نہیں سمجھ سکے تو ان پر احسان جتانا ہی فضول ہے۔ پس جب وہ صحیح سمجھے تو صحابہؓ کی سمجھ کو کس شے نے غلطی میں ڈال دیا۔

سابعاً(۲): اسلئے کہ صحابہؓ میں سے بہت لوگ بنی اسرائیل بھی تھے تو بنی اسرائیل کا صحیح سمجھنا گویا صحابہؓ کا صحیح سمجھنا ہے۔ اگر کہا جائے کہ صحابہؓ میں سے جو بنی اسرائیل تھے وہ تو صحیح سمجھے اور باقی غلط تو اس کی بابت عرض ہے کہ صحابہؓ سے اختلاف منقول☆ نہیں۔ [انتخاب: 'درایتِ تفسیری' از محدث روپڑیؒ ص ۱۶ تا ۲۱]

---

(۲) چھٹی اور ساتویں وجہ خاص شق ثانی کے ابطال میں نہیں بلکہ عام ہیں یعنی پہلی شق کو بھی شامل ہیں۔

☆ ایك شبه كى وضاحت: بعض لوگ ناواقفیت سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ کسی شے کا ذکر نہ ہونا اس شے کے واقع نہ ہونے کی دلیل نہیں یا کسی شے کا نہ ملنا اس شے کے واقع نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ (عدمِ ذکرِ دلیل عدمِ وجدان نہیں یا عدمِ وجدان دلیل عدمِ وقوع نہیں)۔ تو یہ کم علموں کا سا استدلال ہے کہ ایک آدھ بات سیکھ کر اس کو ہر جگہ استعمال کرتے ہیں۔

یہ مقدمہ فی نفسہا اگرچہ صادق ہے مگر اس کا استعمال اسی موقع پر کارآمد ہے جہاں بے کار شبہات اور ضعیف احتمالات کو ترجیح ہوتی ہے۔ مثلاً حدود قصاص میں ایسی صورت واقع ہوجائے تو وہاں یہ مقدمہ مفید ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ (حدود کو شبہات کے ساتھ دور کرو) اور جہاں ظاہر پر عمل کیا جاتا ہے، وہاں ایسے مقدمات سے دلیل لینا نادانی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میلاد نہ رسول اللہ ﷺ نے کیا، نہ کرایا، نہ صحابہؓ نے کیا، نہ کرایا، نہ تابعین نے کیا، نہ کرایا اور نہ تبع تابعین نے کیا، نہ کرایا تو اس موقع پر کسی صاحب بدعت کو یہ کہنے کی مجال نہ ہوگی کہ عدمِ وجدان دلیل عدمِ وقوع نہیں، شائد کسی نے کیا ہی ہو مگر ہم تک نہیں پہنچا۔ اسی طرح ختم اور دیگر بدعات پر کوئی صاحب اس استدلال سے تمسک نہیں کرسکتا۔

اسی طرح مسئلہ حكم العام أن يتناول جميع الأفراد: لفظ عام سے تمام افراد مراد ہوتے ہیں جیسے ﴿يٰأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا﴾ سے تمام مراد ہیں، یہ اصول حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ اختلاف منقول نہیں۔

اسی طرح مسئلہ كل حكم يخاطب به المنكر يجب توكيده (جو شخص کسی بات سے انکاری ہو تو اگر اس کے ساتھ بات کریں تو قسم وغیرہ سے بات کرنی چاہئے۔) علماءِ معانی کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اسی طرح یہ اصول کہ كل جملة تقع خبراً أوصفةً لا بدّ فيها من العائد اہل نحو کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اسی طرح مسئلہ ما في البخاري ومسلم من الأحاديث اتفق العلماء على صحتها علماء کے نزدیک متفقہ ہے

اسی طرح مسئلہ خبر الواحد يجب العمل به ولا يكفر جاحده.....

اسی طرح مسئلہ كل ما أخرجه الراوي بلفظة نُهينا أو أُمرنا أوكنا نفعل والقرآن ينزل أومثل ذلك فهو فى حكم المرفوع اور اس طرح کی متعدد مثالیں بھی ہیں۔

الغرض مسائل جملہ علوم کے اتفاقی اور اختلافی ہونے کی بنیاد یہی ہے کہ جس مسئلہ میں اختلاف منقول ہے، وہ اختلافی ہے اور جس میں اختلاف منقول نہیں، وہ اتفاقی ہے۔ اگر ایسے تمام موقعوں پر اوپر درج شدہ استدلال ہی پکڑا جائے تو جملہ علوم درہم برہم ہوجائیں گے۔ (روپڑیؒ)

www.KitaboSunnat.com

## ❁ حرمین کے علاوہ اعتکاف کا جواز ❁ مسئلہ رضاعت
## ❁ لڑکی کا رضامندی کے بغیر نکاح

☆ سوال: کیا اعتکاف بیٹھنا صرف مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے ساتھ خاص ہے یا ہر مسجد میں بیٹھا جاسکتا ہے؟ بعض لوگ ﴿وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِيْ الْمَسَاجِدِ﴾ سے مراد یہی دو مسجدیں لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تثنیہ پر بھی جمع کا صیغہ بول دیا جاتا ہے۔

جواب: اعتکاف مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص نہیں، اس آیت میں جمع کا اطلاق دو پر کرنا بھی بلادلیل ہے بلکہ آیت ﴿وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِيْ الْمَسَاجِدِ﴾ (البقرۃ: ۱۸۷) کے عموم کی بنا پر تمام مسجدوں میں اعتکاف کا جواز ہے۔ امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ وہ اپنی 'صحیح' میں فرماتے ہیں:

باب الاعتكاف فى العشر الأواخر والاعتكاف في المساجد كلها لقوله تعالٰى ﴿وَلَاتُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِيْ الْمَسَاجِدِ﴾ ..... الخ''

اس میں مساجد کے ساتھ کُلِّھَا کے اضافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسجدوں میں اعتکاف کا جواز ہے۔ اور تفسیر کشاف (۱/۲۵۸) میں اسی آیت کے تحت بیان ہوا ہے

فيه دليل على أن الاعتكاف لايكون إلا فى مسجد وأنه لا يختص به مسجد دون مسجد ''اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ مسجد کے بغیر اعتکاف ناجائز ہے۔ اور یہ کسی مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ سب مسجدوں میں جائز ہے۔''

امام قرطبی نے یہی بات سلف کی ایک جماعت سے نقل کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲/۳۳۳)

فقیہ ابن رشد نے کہا: فمن رجح العموم، قال: في كل مسجد على ظاهر الآية (بداية المجتهد: ۱/۳۱۳) ''جس نے عموم کو ترجیح دی ہے، اس نے کہا کہ ظاہر آیت کی بنا پر ہر مسجد میں اعتکاف کا جواز ہے۔''

☆ سوال: میری خالہ کی عدم موجودگی میں میری والدہ نے میری خالہ زاد کو رونے سے چپ کرانے کیلئے جبکہ اس وقت اس کی عمر ڈیڑھ برس تھی، اپنا دودھ صرف ایک بار پلایا تاکہ میری خالہ زاد رونے کی بجائے چپ کرجائے۔ کیا اس خالہ زاد سے میرا نکاح ہوسکتا ہے، جبکہ دونوں خاندان اس کے بہت متمنی ہیں۔

جواب: ایسی صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوتی، حدیث میں ہے لاتحرم الرضعة أو الرضعتان (مسلم: ۳۵۷۸) رضعة کے معنی ہیں: ایک دفعہ دودھ پینا، جس کی صورت یہ ہے کہ بچہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دفعہ پستان منہ میں لے کر چوسے، پھر اپنے اختیار سے بغیر کسی وجہ کے چھوڑ دے تو یہ ایک رضعة ہوا..... اور دوسری حدیث میں ہے لا تحرم المصّة والمصتان (مسلم: ۳۵۷۵) اور مصة کا معنی بھی ایک دفعہ چوسنا ہے..... اور تیسری حدیث میں ہے لا تحرم الإملاجة والإملاجتان (مسلم: ۳۵۷۶) اور إملاجة ایک دفعہ منہ میں پستان دینے کو کہتے ہیں۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ بچہ جب ایک دفعہ دودھ پی کر خود بخود چھوڑ دے تو رضاعی معنی إملاجة ہے، اس طرح سے بچہ پانچ دفعہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو پھر حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔ اور پانچ سے کم دفعہ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

اس بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے وضاحت موجود ہے:

كان فيما أنزل من القرآن عشر رضعات معلومات يُحرِّمن ثم نُسِخن بخمس معلومات فتُوفي رسول اللهﷺ وهي فيما يقرأ من القرآن (مسلم: ۳۵۸۲)

''قرآنِ مجید میں یہ حکم نازل کیا گیا تھا کہ متعینہ طور پر دس بار دودھ پینا نکاح کو حرام کردیتا ہے۔ پھر یہ حکم پانچ بار دودھ پینے کے حکم سے منسوخ ہوگیا۔ پس رسول اللہ کی وفات تک یہ آیتیں قرآن میں پڑھی جانے والی آیتوں میں شامل تھیں۔''

ان دلائل کی روشنی میں آپ اپنی خالہ زاد سے نکاح کرسکتے ہیں تھوڑا سا دودھ پینے سے وہ رضاعی بہن نہیں بنی، لہٰذا نکاح کا جواز ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: 'مسئلہ رضاعت' محدث، ستمبر ۲۰۰۰ء

☆ **سوال:** مسجد کے نام وقف شدہ زمین کا کیا حکم ہے؟ جبکہ وقف شدہ جگہ پر مسجد کی تعمیر کی ضرورت نہ رہے۔ آیا وقف شدہ زمین کسی اور نیک کام میں استعمال ہوسکتی ہے یا فروخت کرکے کسی اور جگہ بھی مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے؟

**جواب:** وقف شدہ چیزوں کو وقف ہی رہنا چاہئے، اگر موجودہ وقف کا مصرف نہ رہے تو دوسرے وقف میں اس کی قیمت کو استعمال کیا جاسکتا ہے یا پھر کسی بھی کارِ خیر میں اس کی قیمت خرچ ہوسکتی ہے۔

☆ **سوال:** مقتدی جماعت کی پہلی یا دوسری رکعت میں اس وقت شامل ہوا کہ امام صاحب سورۂ فاتحہ کے آخر تک پہنچ چکے تھے لہٰذا مقتدی نے صرف آمین امام کے ساتھ کہا۔ اب مقتدی سورۂ فاتحہ کس وقت دہرائے یا اس کی ضرورت نہیں؟ کیا دعائے استفتاح اس صورت میں پڑھنا بھی ضروری ہے؟

**جواب:** ایسی صورتمیں مقتدی فاتحہ پڑھنی شروع کردے، امام جس حالت میں بھی ہو (سکتہ یا قرأت) کیونکہ صحیح احادیث کی رو سے فاتحہ کے بغیر نماز کا وجود نہیں۔ ایسی حالت میں دعائے استفتاح نہ پڑھی جائے کیونکہ اس کا پڑھنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

☆ **سوال:** رکوع سے اٹھنے کے بعد نمازی اپنے ہاتھ کہاں رکھے؟

ثلاث رسائل فی الصلاة از عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (ترجمہ: قاری محمد صدیق) میں پڑھا

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ حالتِ قیام رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ سینے پر ہی باندھنے چاہئیں۔ انہوں نے حضرت سہیل بن سعدؓ اور حضرت وائل بن حجرؓ (سنن ابوداود) کی احادیث سے استدلال کیا ہے۔

**جواب:** رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے چاہئیں، ہاتھ باندھنے کی کوئی واضح اور صریح نص موجود نہیں، ان حضرات کے دلائل کا انحصار غالباً عمومی عبارتوں پر ہے جو محل نزاع میں مفید نہیں۔ اس بارے میں ہمارے استاذ محدث روپڑیؒ کا رسالہ 'ارسال الیدین بعد الرکوع' اور 'رفع الابہام' کے علاوہ پروفیسر حافظ عبداللہ بہاولپوریؒ کے عربی و اردو رسائل ملاحظہ فرمائیں جو سوال اور جواب کی صورت میں ہیں۔ ان کتب میں شیخ ابن باز وغیرہ حضرات کے دلائل کا بطریق احسن جواب دیا گیا ہے۔

☆ **سوال:** سر میں تیل لگانا اور رات کو آنکھوں میں سرمہ لگانا سنتِ نبویؐ ہے یا نہیں؟

**جواب:** حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کثرت سے اپنے سر مبارک پر تیل لگایا کرتے تھے۔ (مختصر شمائل محمدیہ: باب ماجاء فی ترجل رسول اللہ ﷺ)

رات کو آنکھوں میں سرمہ لگانے کا بھی احادیث میں ذکر ہے۔ (مختصر الشمائل المحمدیۃ: باب ماجاء فی کحل رسول اللہ ﷺ اور منتقی الاخبار: باب الاکتحال و الادھان والتطیب)

☆ **سوال:** زیر ناف بالوں کی صفائی کیا حکم ہے، بال کہاں تک صاف کرنے چاہئیں؟ کیا فضلہ کے مخرج کے گرد بال صاف کرنے جائز ہیں؟

**جواب:** زیر ناف بالوں کا صاف کرنا ضروری ہے، شرمگاہ کے اوپر اور قرب و جوار سے صفائی کی جائے، اسی طرح عورت کی شرم گاہ کے گرد بالوں کی صفائی بھی ضروری ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: آگے پیچھے اور ان کے گرد صفائی کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح فتح الباری میں ہے: دُبر کے گرد بالوں کو صاف کرنا جائز ہے (۳۴۳/۱۰)۔ لیکن امام شوکانی فرماتے ہیں: دبر کے بالوں کی صفائی سنت سے ثابت نہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نیل الاوطار: ۱۲۴/۱)

☆ **سوال:** ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

**جواب:** امام نوویؒ فرماتے ہیں:

> ''مستحب یہ ہے کہ پاؤں سے پہلے ہاتھوں کے ناخن اتارے جائیں۔ دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی سے شروع کرکے چھوٹی انگلی کی طرف آئے پھر انگوٹھے کا ناخن اتارے پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے آخر تک اتار دے۔ پھر دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔'' (نیل الاوطار: ۱۲۴/۱)

واضح ہو کہ یہ تفصیل کسی حدیث سے معلوم نہیں ہوسکی تاہم آپؐ کی عادتِ مبارک تھی کہ کام دائیں طرف سے شروع کرتے اور اس کے برخلاف بائیں طرف سے۔ (نیل الاوطار، سبل السلام)

www.KitaboSunnat.com

☆ سوال: کیا مصافحہ اور معانقہ کرنا سنت سے ثابت ہے؟ مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا چاہئے یا دونوں سے بھی جائز ہے؟

جواب: مصافحہ اور معانقہ دونوں سنت ہیں، مصافحہ صرف داہنے ہاتھ سے ہونا چاہئے۔ ملاحظہ ہو سنن ترمذی مع تحفۃ الاحوذی: ۵۱۹/۷، باب ماجاء فی المصافحۃ، باب ماجاء فی المعانقۃ والقُبلۃ

☆ سوال: امام بخاری، علامہ وحید الزمان اور بعض علما دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کے قائل ہیں، میں نے اہل حدیث علما کے فتاویٰ میں ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہونا پڑھا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے، جواز ہے یا نہیں؟

جواب: دو ہاتھوں سے مصافحہ کے لئے امام بخاریؒ کا استدلال ابن مسعودؓ کی حدیث سے ہے، جس میں یہ ہے کہ تشہد کی تعلیم کے وقت میرا ہاتھ آپؐ کے دونوں میں تھا لیکن اس میں مصافحہ کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہاں ہاتھوں کو پکڑنے سے آپ کا مقصود متعلّم کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا تھا۔ جبکہ واضح منصوص احادیث میں صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر ہے۔ (ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی، طبع مصر: ۵۲۲/۷)

☆ سوال: کیا نبی ﷺ نے کبھی ننگے سر نماز بھی پڑھی ہے؟ اگر پڑھی ہو تو اس کو دلیل بنا کر ہمیشہ ننگے سر نماز پڑھنا، ٹوپی رکھ کر پڑھنے سے کتنا افضل ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھی ہے جس کی صورت یہ بھی تھی کہ ایک کپڑے کی دونوں طرف مخالف سمت سے کندھے پر ڈال لیں یعنی اس کی دائیں طرف بائیں کندھے پر اور بائیں طرف دائیں کندھے پر، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کے سر پر کچھ نہ تھا۔ نماز دونوں طرح پڑھنا درست ہے، سر ڈھانپ کر یا ننگے سر پڑھنا تمام محدثین کے نزدیک سنت میں داخل نہیں۔

☆ سوال: رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں جو آخری نماز باجماعت پڑھائی، وہ کون سی تھی؟

جواب: ظہر کی نماز۔ (بخاری مع فتح الباری: ۱۷۵/۲، باب انما جعل الامام .....الخ)

☆ سوال: میرے والد نے میری بہنوں کی شادی لڑکے کی ذات اور کردار کو دیکھے بغیر محض زیادہ حق مہر کے لالچ میں ان کی مرضی کے بغیر کی ہے اور حق مہر بھی خود رکھا ہے۔ اسی طرح میری بڑی بہن کی شادی بھی اس کی مرضی کے خلاف ایک اَن پڑھ اور بے نماز شخص سے کردی ہے۔ ہمشیرہ اور سب گھر والے اس سے متنفر ہیں۔ لہٰذا اس سے طلاق کا مطالبہ کیا لیکن اس نے طلاق نہ دی۔ ہم نے اسے گھر بلوا کر طلاق نامہ پر زبردستی انگوٹھے لگوا لئے، کیا یہ طلاق صحیح ہے۔ اگر نہیں تو پھر ہم اس شخص سے کیسے چھٹکارا حاصل کریں؟

ثانیاً، میری آٹھ بہنیں ہیں، والد محض پیسوں کے لالچ میں بہنوں کی زندگی تباہ کررہا ہے۔ اس صورت میں، کیا میں والدہ اور بہنوں کے کہنے پر خود وَلی بن کر بہنوں کا نکاح کرسکتا ہوں۔ براہِ کرام

www.KitaboSunnat.com

قرآن وسنت کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

**جواب**: سنن ابوداود میں حدیث ہے: "عن ابن عباس قال أن جارية بكرا أتت رسول اللهﷺ فذكرت أن أباها زوجها وهى كارهة فخيرها النبیﷺ (باب فى البكر يزوجها أبوها ولا يستأ مرها)

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ذکر کیا کہ میرا نکاح میرے باپ نے میری مرضی کے خلاف کردیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا کہ اپنے نکاح کو فسخ کرے یا قائم رکھے۔''

اور صحیح مسلم میں ہے کہ ''شادی شدہ عورت اپنے نفس کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے اس کا باپ اس کے نکاح میں اِذن مانگے اور اس کا اذن خاموشی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ صورت میں لڑکی نکاح ردّ کرسکتی ہے کیونکہ اس کی مرضی کے بغیر ہوا ہے اور پھر باپ نے اس پر زبردستی کی ہے جس کا اسے اختیار نہ تھا۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں دو باب بایں الفاظ قائم کئے ہیں: باب لاينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما

''باپ وغیرہ کنواری اور بیوہ کا نکاح نہ کرے مگر ان دونوں کی رضا مندی سے۔''

باب إذا زوّج الرجل ابنته وهى كارهة فنكاحه مردود

''جب باپ اپنی بیٹی کا نکاح زبردستی کرے تو وہ مردود ہے۔''

اگر باپ حصولِ زر کا لالچی اور اولاد کا بدخواہ ہو تو اس کی ولایت ناقابل اعتبار ہے۔ طبرانی اوسط میں حدیث ہے: لانكاح إلا بولى مرشد أوسلطان۔ ہدایت والے وَلی یا سلطان کے بغیر نکاح نہیں۔ بنا بریں اس کی جگہ بھائی ولی بن کر اپنی بہنوں کا نکاح دین دار افراد سے کرسکتا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ اس بات کو خاندان کے ذمہ داروں یا چند دانا لوگوں کی موجودگی میں نکھار دیا جائے وگرنہ اولاد اپنی من مانی کے لئے ہر والد کو 'غیر مرشد' قرار دے کر فساد بھی پیدا کرسکتی ہے۔

جہاں تک طلاق کا معاملہ ہے تو راجح مسلک کے مطابق زبردستی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے کہ ''میری اُمت سے خطا اور نسیان اور جس پر انہیں مجبور کیا جائے، ان کی ذمہ داری اٹھالی گئی ہے''۔ (ابن ماجہ وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ جبراً طلاق واقع نہیں ہوتی۔ منتقی الاخبار میں اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۹/۳۹۰

علیحدگی کی صورت یہ ہے کہ عورت عدالت یا پنچایت وغیرہ میں اس عدمِ رضا کا اظہار کرے یہ کام اپنے آپ نہ کرے۔ جب عورت وَلی کے بغیر بذاتِ خود نکاح نہیں کرتی تو جدائی خود بخود کیونکر درست ہوگی حالانکہ جدائی کا معاملہ نکاح سے زیادہ نازک ہے۔ پس ضروری ہے کہ حسبِ استطاعت باوثوق ذرائع سے علیحدگی ہو۔

www.KitaboSunnat.com

# احکامِ قبور اور کثیر منزلہ قبرستان کی شرعی حیثیت

## مسلمان میت کی تدفین صرف زمین میں ہی ہوسکتی ہے!

کسی بھی میت کو زیرِ زمین دفن کرنا فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے، اسی لئے دنیا میں سب سے پہلی میت کو زمین میں گڑھا کھود کر دفنایا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے (قابیل) نے دوسرے (ہابیل) کو ذاتی اَغراض کے لئے قتل کردیا پھر اسے یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ اس لاش کا کیا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو اپنی چونچ اور اپنے پاؤں سے زمین میں گڑھا کھودنے لگا، ارشادِ باری ہے:

﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِيْ الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْأَةَ أَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰى أَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْأَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِيْنَ﴾ (المائدۃ:۳۱)

''پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ اس نے کہا: ہائے افسوس! کیا میں اتنا مجبور ہوں کہ اس کوے کی ہی مانند ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا، پھر وہ افسوس کرنے لگا۔''

اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لئے اسلام نے اسی فطرت کو برقرار رکھا، چنانچہ ارشادِ باری ہے:

(۱) ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى﴾ (طٰہٰ:۵۵)

''ہم نے تم سب کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے پھر دوسری بار اسی سے تمہیں نکالیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور ان کی اولاد کو اس نطفہ سے پیدا کیا ہے جو زمین سے پیدا شدہ غذا سے تیار ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انسانوں کو مختلف مراحل زندگی سے گزار کر اسی زمین (قبر) میں لوٹا دیتے ہیں اور روزِ محشر سب انسان انہی قبروں سے اٹھائیں جائیں گے۔

(۲) ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا﴾ (المرسلات:۲۵،۲۶)

''کیا ہم نے زمین کو مردوں اور زندوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا۔''

یعنی زندہ افراد زمین پر اپنے مسکنوں میں سکونت اختیار کرتے ہیں تو مردہ افراد کو بھی زمین ہی اپنے اندر جگہ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی ہر دو صورتوں (گھروں اور قبروں) کو بطورِ انعام یاد کروایا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

(۳) ﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ثُمَّ إِذَا شَاءَ اَنْشَرَهٗ﴾ (عبس :۲۱،۲۲)

''پھر اسے موت دے کر قبر میں پہنچا دیا پھر جب وہ چاہے گا، اسے زندہ کرے گا۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ نے (ہر) انسان کو قبر میں دفنانے کی تعلیم دی ہے کیونکہ اس میں انسان کی تعظیم ہے۔ ایسا نہیں کہ اسے زمین پر درندوں اور پرندوں کے لیے پھینک دیا جائے۔'' (فتح القدیر:۵/۴۷۲)

حضور نبی کریم ﷺ نے بھی میت کو زیرزمین (Under Ground) قبر میں دفنانے کی تعلیم دی ہے خواہ وہ میت غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، تاکہ میت کو درندوں وغیرہ سے بچایا جائے اور ان کا تعفن بھی مٹی میں جذب ہوکر رہ جائے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ابوطالب فوت ہوگئے تو میں نے اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کا بوڑھا (گمراہ) چچا فوت ہوگیا ہے (اسے کون دفن کرے)؟ آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ اسے دفن کر آؤ اور میرے پاس آنے تک کوئی کام نہ کرنا۔ (ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ وہ حالتِ شرک میں فوت ہوا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ اور اسے دفن کر آؤ)۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں دفنا کر حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: جاؤ غسل کرکے آؤ اور میرے پاس آنے تک کوئی کام نہ کرنا۔ میں غسل کرکے دوبارہ حاضر ہوا تو نبیؐ نے میرے حق میں ایسی دعا فرمائی جو مجھے سرخ اور کالے اونٹوں سے بھی زیادہ خوش کردینے والی تھی۔ (احمد:۸۰۷،۱۰۷۴، ابوداؤد:۲/۷۰، نسائی:۱/۲۸۲، بیہقی:۳/۳۹۸)

موجودہ دور میں قبرستان کی تنگی اور قبروں کی کثرت کی وجہ سے کئی مسائل جنم لے رہے ہیں جن میں سے ایک مسئلہ یہ بھی سامنے آیا ہے کہ کیا کئی منزلہ (ملٹی سٹوری) قبرستان بنائے جاسکتے ہیں؟ یا صرف زیر زمین قبرستان کی پابندی کرنا ہی ضروری ہے؟

مذکورہ مسئلہ پر بحث وتمحیص سے پہلے ہمیں شرعی نکتہ نظر سے قبرستان کے احکامات اور قبروں کی تعمیر کا جائزہ لینا چاہئے، کیونکہ اسلام کے احکامات ابدی ہیں اور اگر ان احکامات پر کماحقہ عمل کیا جائے تو بہت سی مشکلات خود بخود حل ہوجائیں گی۔ ذیل میں ہم احکامِ قبور کا مختصر سا خاکہ پیش کرتے ہیں جس کے بعد یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے فطری اور ابدی احکامات پر عمل کرنے کی صورت میں کثیر منزلہ قبرستان کی بالکل ضرورت ہی پیش نہیں آسکتی، لہٰذا ہمیں نئے مسائل کھڑے کرنے کی بجائے ان وجوہات کا خاتمہ کرنا چاہئے جن کی بنا پر یہ مسائل پیدا ہورہے ہیں۔

## قبرستان کا انتظام وانصرام

اسلام نے جس طرح میت کو دفن کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

ایک آبادی کے مردوں کو تدفین کے لئے مخصوص مقام یعنی قبرستان میں ہی دفن کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں اہل مدینہ کے لئے بقیع الغرقد (عرفی نام جنت البقیع) کا قبرستان مختص تھا جہاں مسلمان میتوں کو دفن کیا جاتا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ بقیع الغرقد میں جا کر فوت شدگان کی مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے۔ (مسلم:۱۴/۳، نسائی:۲۸۶/۱، احمد:۲۲۱/۶)

اللہ کے رسول ﷺ نے قبرستان کی زیارت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا، اب ان کی زیارت کرلیا کرو (اس کی اجازت ہے) کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص (قبرستان کی) زیارت کے لئے جانا چاہے، اسے اجازت ہے مگر وہاں جاہلانہ باتوں سے اجتناب کرو۔'' (مسلم:۵۳/۶، احمد:۳۵۰/۵، ابوداؤد:۷۲/۲، بیہقی:۷۷/۴، نسائی:۲۸۵/۱) ایک روایت میں ہے کہ

''قبروں کی زیارت کرو۔ بلاشبہ اس میں عبرت ہے اور کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے ربّ ناراض ہو۔'' (احمد:۳۸/۳، حاکم:۳۷۳/۱) ایک اور روایت میں ہے کہ

''قبروں کی زیارت کرو، یہ دل کو نرم کرتی ہیں۔ آنکھوں سے آنسو بہاتی ہیں اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور وہاں لغویات سے اجتناب کرو۔'' (احمد:۲۳۷/۳، حاکم:۳۷۶/۱)

مذکورہ احادیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ فوت شدگان کے لئے باقاعدہ قبرستان کا انتظام ہو۔

۲۔ لوگ قبروں کی زیارت کریں تاکہ اپنی موت اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔

۳۔ قبرستان کو میلہ گاہ نہ بنایا جائے۔

۴۔ قبرستان میں شرک و بدعات اور لغویات سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

۵۔ قبرستان آبادی کے قریب ہوں تاکہ لوگوں کو آمد و رفت کی سہولت میسر رہے۔

۶۔ مردوں کے لئے بخشش کی دعا کی جائے۔

اس کے علاوہ بھی قبرستان کے بہت سے آداب کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔

## مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قبرستان جدا جدا ہوں

مسلمانوں کے قبرستان میں غیر مسلم کو دفن کرنا درست نہیں لہٰذا غیر مسلموں کے لئے الگ قبرستان کا انتظام کیا جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی کافروں کے الگ قبرستان رکھے جاتے تھے جیسا کہ ابن خصاصیہؓ بیان کرتے ہیں کہ

''اللہ کے رسول مشرکوں کے قبرستان گئے اور کہا کہ یہ خیر و برکت سے محروم ہوگئے ہیں۔ پھر آپؐ مسلمانوں کے قبرستان آئے اور کہا کہ انہوں نے خیر و برکت کو بکثرت وصول کیا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

(احمد:۵/۸۳، ابوداؤد:۲/۷۲، نسائی ۱/۲۸۸، ابن ماجہ:۱/۴۷۴، حاکم:۱/۳۷۳، بیہقی:۴/۸۰)

اسی طرح مشرکوں کی قبریں بھی ختم کرنا درست ہے کیونکہ مسجدِ نبوی اس مقام پر تعمیر کی گئی ہے جہاں اس سے قبل مشرکین کی قبریں تھیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کرتے ہوئے مشرکین کی قبریں ختم کردیں تھیں۔ (صحیح بخاری:۲۹۳۲)

یاد رہے کہ اسلام میں غیر مسلموں کی لاش کو وہ احترام حاصل نہیں جو ایک مسلمان میت کے لئے ہے۔ چنانچہ جنگ ِ بدر میں ۲۴ مشرکین کی لاشوں کو گھسیٹ کر ایک گندے کنویں میں پھینک دیا گیا۔ (پھر مٹی اور پتھروں سے کنوئیں کو پر کردیا گیا)۔ (صحیح بخاری:۳۹۷۶، مسلم:۸/۱۶۴، احمد ۳/۱۰۴)

## چند استثنائی صورتیں

(۱) ''میدانِ جنگ میں شہید ہونے والوں کو شہادت گاہ میں ہی دفنایا جائے گا، کسی قبرستان منتقل کرنا درست نہیں۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ

''جنگِ اُحد کے روز لوگوں نے شہداء کو بقیع کے قبرستان میں لے جانے کے لئے سواریوں پر سوار کیا تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک شخص نے اعلان کیا کہ نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ شہیدوں کو ان کی جائے شہادت پر ہی دفن کرو۔'' (احمد:۳/۳۹۷، ابوداود:۱۵۳۳، بیہقی:۲/۱۵۲)

(۲) انبیا جہاں فوت ہوں، اسی جگہ انہیں دفن کیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

''جب اللہ کے رسولؐ کی وفات ہوئی تو آپ کو دفن کرنے کے بارے میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ''میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ بات سنی ہے جو مجھے آج تک یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نبی کو جہاں دفن کرنا پسند فرماتے ہیں، وہیں اس کی روح قبض فرماتے ہیں۔'' لہٰذا نبی کریمؐ کو آپ کے بستر والی جگہ پر دفن کیا گیا۔''

(ترمذی:۲/۱۲۹، ابن ماجہ:۱/۴۹۸، ابن سعد:۲/۷۱، موطأ:۱/۲۳۰)

## گھروں کو قبرستان نہ بنایا جائے

(۱) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، مجھ پر درود پڑھو یقیناً تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جائے گا تم جہاں کہیں بھی ہوئے۔'' (احمد:۱/۳۶۷، ابوداود:۲۰۴۲، عبدالرزاق:۶۷۲۶، ابن ابی شیبہ:۱۱۸۱۸، صحیح الجامع الصغیر:۷۲۲۶)

(۲) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ بلا شبہ شیطان اس گھر سے دور بھاگتا ہے جہاں سورۃ البقرۃ پڑھی جائے۔'' (مسلم:۱۸۲۱)

www.KitaboSunnat.com

## قبرستان میں مسجد بنانا درست نہیں

(۱) حضرت جندبؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل یہ ارشاد فرمایا:
''لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلی اُمتوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں☆ بنالیا تھا۔ خبردار! تم قبروں پر مسجدیں مت بنانا، میں تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں'' (مسلم:۵۳۲)

(۲) حضرت اُمّ حبیبہؓ اور ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
''یقیناً ان (عیسائیوں) میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہوجاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں تصاویر آویزاں کرتے، یہی لوگ روزِ قیامت اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق شمار ہوں گے'' (بخاری:۴۳۳، مسلم:۵۲۸)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کا یہ ارشادگرامی سنا کہ
''بلا شبہ بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت قائم ہوگی اور وہ ایسے لوگ ہوں گے جو قبروں کو مسجدیں بنائیں گے'' (احمد:۱/۴۰۵، ابن حبان:۲۳۱۶، ابویعلی:۵۳۱۶، ابن خزیمہ:۷۸۹)

(۴) حدیثِ نبویؐ ہے کہ ''لاتجلسوا علی القبور ولاتصلوا إلیها'' ''قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف نماز پڑھو'' (مسلم:۲/۶۲، ابوداؤد:۱/۷۱، نسائی:۱/۱۲۴، ترمذی:۱/۱۵۴)

### شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

''انبیا، صلحا اور بادشاہوں وغیرہ کی قبروں پر جو مسجدیں بنائی گئیں ہیں انہیں گرانا اور ختم کرنا چاہئے۔ میرے علم کے مطابق معروف اہل علم کا اسمیں کوئی اختلاف نہیں'' (اقتضاء الصراط:۱۵۹)

### حافظ ابن قیمؒ کا فیصلہ

حافظ ابن قیمؒ زادالمعاد میں (۳/۲۲) فرماتے ہیں کہ
''ہر ایسی جگہ جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی ہوتی ہو، اسے 'مسجد ضرار' کی طرح جلا دینا اور ختم کردینا ضروری ہے..... اسی طرح اگر کسی قبر پر مسجد تعمیر کی گئی ہو تو اس مسجد کو منہدم کرنا ضروری ہے جس طرح مسجد میں اگر میت دفنائی جائے تو اس میت کو مسجد سے نکال لیا جاتا ہے جیسا کہ امام احمد وغیرہ سے منقول ہے لہٰذا دین اسلام میں مسجد اور قبر جمع نہیں ہوسکتیں۔ مسجد یا قبر میں سے جسے بعد میں بنایا جائے گا اسے اُکھاڑنا ضروری ہے اور ایسی کسی مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں، کیونکہ اللہ کے رسولؐ نے اس سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت کی ہے۔''

☆ **روضۂ رسولؐ کا مسئلہ**: نبی کریم ﷺ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کیا گیا جس کا ایک دروازہ مسجدِ نبوی کی طرف کھلتا تھا۔ عہدِ صحابہ اور عہدِ تابعین میں یہ حجرہ مسجد سے الگ ہی رہا اور صحابہ کرامؓ نے حدیثِ نبوی کے مطابق آپ کو حجرے کی چار دیواری میں اسی لئے دفنایا تھا کہ وہاں لوگ سجدے اور نمازیں نہ پڑھیں۔ ولید بن عبدالملک کے دور (۸۸ھ) میں مسجدِ نبوی کی بقدرِ ضرورت توسیع کی گئی تو

☆ اس مضمون میں مسجد کو اس کے مسلمانوں کی عبادت گاہ کی بجائے مطلق سجدہ/عبادت گاہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے وگرنہ غیر مسلم کے عبادت خانے مسجد کی بجائے 'کنیسہ' کہلاتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

حجرے والی جگہ بھی مسجد میں داخل ہوگئی مگر حجرے کی چار دیواری برقرار رکھی گئی اور یہ سب ضرورت کے لئے کیا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ طبری: ۲۲۲/۵ اور البدایۃ والنھایۃ: ۷۳/۹

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

''ہر وہ مسجد جسے قبروں میں تعمیر کیا گیا ہو، اس میں مطلق طور پر ہر نماز منع ہے، البتہ مسجدِ نبوی اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں ایک نماز کا ثواب ہزار نماز کے برابر ہے اور اسے تقویٰ کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔ مسجدِ نبوی کی حرمت اور تعظیم خود عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں قائم رہی پھر عہدِ صحابہ کے بعد (ضرورت کی وجہ سے) آپ کی قبر والا حجرہ مسجد کے احاطے میں داخل کیا گیا۔''

(الجواب الباہر فی زوار المقابر: ص۲۲ بحوالہ تحذیر الساجد للالبانی، ص:۱۳۶)

## قبرستان میں 'جنازگاہ' کا مسئلہ

نبی کریمؐ کے دور میں مسجد، عیدگاہ، جنازہ گاہ اور قبرستان چاروں چیزیں جدا تھیں جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ

(۱) ''یہودی آنحضرت کے پاس زانی مرد وعورت کو لے کر آئے تو آپ کے حکم کے مطابق انہیں مسجد کے قریب جنازہ گاہ میں رجم کیا گیا۔'' (بخاری: ۱۳۲۹)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

''مدینہ کی جنازہ گاہ مسجدِ نبوی سے متصل مشرقی جانب تھی''۔ (فتح الباری: ۱۹۹:۳)

(۲) نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک آدمی (بعض روایات کے مطابق ایک عورت) مسجدِ نبوی کی صفائی کرتا تھا۔ ایک رات وہ فوت ہوگیا تو صحابہ نے نبی ﷺ کو مطلع کئے بغیر اسے دفنا دیا۔ جب آپ کو اس کے متعلق علم ہوا تو آپؐ نے صحابہؓ سے کہا کہ مجھے اس کی قبر بتاؤ، پھر وہاں جا کر آپ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں۔ (بخاری: ۱۳۲۱)

اس حدیث کے پیش نظر اگرچہ بوقتِ ضرورت قبرستان میں نمازِ جنازہ ادا کی جاسکتی ہے اور قبرستان میں جنازگاہ کا انتظام بھی کیا جاسکتا ہے تاہم پہلی حدیث کے مطابق مستحب اور قابل احتیاط بات یہی ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے اور جنازہ گاہ کو قبرستان سے جدا رکھا جائے خواہ دونوں کی دیوار مشترک ہو۔ نبی کریم ﷺ بالعموم جنازہ گاہ یا کبھی مسجد میں ہی نمازِ جنازہ پڑھا دیا کرتے تھے۔

اگر قبرستان میں جنازگاہ کا انتظام کیا گیا ہو تو یہ لحاظ رکھا جائے کہ وہاں نمازِ جنازہ کے سوا دیگر کوئی نماز ہرگز ادا نہ کی جائے کیونکہ آپؐ نے قبر یا قبرستان میں عام نمازوں کی ادائیگی سے منع کیا ہے۔ اس لئے قبرستان میں موجود مساجد کو جنازگاہ میں بدل لینا چاہئے۔ لیکن اگر جگہ کی قلت کا مسئلہ درپیش ہو تو اس کا

www.KitaboSunnat.com

یہ حل بھی قابل غور ہے کہ قبرستان کے اوپر چھت ڈال کر اسے جناز گاہ کے طور پر استعمال کرلیا جائے۔ اس طرح جگہ کی قلت بھی ختم ہوجائے گی اور مسئلہ بھی شریعت کی پابندی میں حل ہوجائے گا البتہ اس بارے میں علما کی شرعی آرا بھی لی جانی چاہئیں۔

مذکورہ صحیح روایات کے مطابق قبرستان میں مساجد کی تعمیر کسی طرح بھی درست نہیں لیکن پاکستان میں شاذونادر کہیں ایسا قبرستان دکھائی دے گا جہاں مسجد نہ ہو بلکہ ہر قبرستان میں نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی مخالفت کرتے ہوئے وسیع وعریض مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں بلکہ حکومت کی منظوری سے ہر قبرستان میں مسجد کا انتظام کیا جاتا ہے۔

سعودی عرب میں بحمداللہ آپ کو ہر طرف ایسے قبرستان دیکھنے کو ملیں گے جہاں مسجد نہیں ہوگی لیکن ہمارے ہاں شاید عوام اس تصور کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے بلکہ عوام تو قبرستان ہی کو اصل عبادت کی جگہ سمجھے بیٹھے ہیں لیکن حقیقت بہرحال یہی ہے کہ اسلام قبرستان میں مسجد کی اجازت نہیں دیتا بلکہ بلا مسجد محض قبر کے پاس نماز پڑھنے سے بھی نبیؐ نے سختی سے منع کیا ہے۔ لہٰذا اگر قبرستان میں مساجد کی تعمیر کا تصور ختم کیا جائے اور تعمیر شدہ مساجد کی جگہ کو قبرستان میں تبدیل کرلیا جائے تو ہر قبرستان میں سینکڑوں نئی قبروں کی جگہ دستیاب ہوجائے گی۔

## پختہ قبریں اور مزار بنانا درست نہیں

(۱) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ''اللہ کے رسولؐ نے قبر کو چونا گچ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے۔'' (صحیح مسلم:۹۷۰، ابوداؤد:۳۲۲۵، ترمذی:۱۰۵۲، نسائی:۲۰۲۶، ابن ماجہ:۱۵۶۲، احمد:۳۹۹/۳، حاکم:۳۷۰/۱، عبدالرزاق:۵۰۴/۳)

۲۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ نے قبروں پر عمارت بنانے، ان پر بیٹھنے اور وہاں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔'' (ابن ماجہ:۱۵۶۴، ابویعلی:۱۰۲۰، مجمع الزوائد:۶۱/۳)

۳۔ حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ''اللہ کے رسولؐ نے قبر پر عمارت بنانے یا اسے پختہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' (مسند احمد:۲۹۹/۶)

امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ: امام محمد فرماتے ہیں کہ

''ہم اس چیز کو درست نہیں سمجھتے کہ قبر پر اس کی اپنی مٹی سے زیادہ مٹی ڈالی جائے اور ہم اسے بھی مکروہ (بمعنی حرام) سمجھتے ہیں کہ قبر کو چونا گچ کیا جائے یا مٹی سے لیپا جائے یا اس کے قریب مسجد بنائی جائے یا نشان بنایا جائے یا اس پر لکھا جائے۔ اسی طرح ہمارے نزدیک پختہ اینٹ سے قبر بنانا یا اسے قبر میں استعمال کرنا مکروہ ہے۔ البتہ قبر پر پانی لگانے میں کوئی گناہ نہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا بھی

www.KitaboSunnat.com

یہی فتویٰ ہے۔'' (کتاب الآثار مترجم:۱۲۶، فتاویٰ قاضی خان:۹۳/۱)

امام شافعیؒ کا فتویٰ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

''میں نے مہاجرین اور انصار صحابہ کرامؓ کی قبروں کو پختہ تعمیر شدہ نہیں دیکھا۔ طاؤس روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے قبروں پر عمارت کی تعمیر یا اسے پختہ کرنے سے منع کیا ہے اور میں نے ان حکمرانوں کو دیکھا ہے جو مکہ میں قبروں پر بنائی جانے والی عمارتیں گرادیتے تھے۔ جبکہ فقہا ان پر عیب نہیں لگاتے تھے۔'' (کتاب الام:۲۷۷/۱)

ابن قدامہ حنبلیؒ کا فتویٰ: ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ قبر پر عمارت تعمیر کرنا، اسے پختہ بنانا یا اس پر کتبہ لگانا مکروہ ہے کیونکہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ ''اللہ کے رسولؐ نے قبر پختہ بنانے، اس پر عمارت کھڑی کرنے اور اس پر بیٹھنے سے منع کیا ہے۔'' (المغنی:۴۳۹/۳)

امام مالکؒ کا فتویٰ: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ''میں قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر عمارت تعمیر کرنے کو مکروہ (حرام) سمجھتا ہوں۔'' (المدونۃ الکبریٰ:۱۷۰/۱)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فتویٰ: ''قبر زمین سے ایک بالشت اونچی بنائی جائے اور اس پر پانی چھڑکا جائے۔ اس پر سنگریزہ رکھنا اور مٹی سے لیپ کرنا جائز ہے مگر پختہ گچ کرنا مکروہ ہے۔'' (غنیۃ الطالبین: ۶۴۰)

ابوالحسن موسیٰ کاظم کا فتویٰ: ''قبر پر عمارت تعمیر کرنا، اس پر بیٹھنا، اسے پختہ کرنا اور لپائی کرنا درست نہیں۔'' (الاستبصار:۲۱۷/۱)

امام جعفر صادق کا فتویٰ: ''نبی اکرم ﷺ نے قبر پر ایسی مٹی زیادہ کرنے سے منع کیا ہے جو اس سے نہ نکلی ہو۔ قبروں پر عمارت تعمیر نہ کرو اور نہ ہی گھروں کی چھتوں کو مصوری سے مزین کرو یقیناً اللہ کے رسولؐ نے اسے ناپسند کیا ہے۔'' (تہذیب الاحکام:۴۶۰/۱۔۴۶۱)

احادیث کے علاوہ تمام فقہی مذاہب کے مطابق بھی پختہ قبر بنانا یا قبر پر عمارت (گنبد، مزار، قبہ وغیرہ) تعمیر کرنا ہرگز جائز نہیں مگر نہایت افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں اس مسئلہ پر بھی عمل نہیں اور کھلے عام قرآن واحادیث اور ائمہ مجتہدین کے فتوؤں کی دھجیاں بکھیری جاتی ہیں۔ اگر اسلامی نقطہ نظر کے مطابق پختہ قبروں کی ممانعت پر عمل کروایا جائے اور پختہ قبروں کو کچی قبروں میں تبدیل کرلیا جائے تو بلاشبہ بیسیوں قبروں کے لئے ایسی جگہ حاصل ہوجائے گی جو بالکل بے فائدہ عمارتوں، مزاروں اور چاردیواریوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ پختہ قبروں کو مسمار کرکے کچی قبروں میں تبدیل کرنا اولیاء وصلحا کی قبروں کی بے حرمتی نہیں بلکہ عین شریعت کے مطابق ہے اور پورے وثوق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کسی بھی باعمل

www.KitaboSunnat.com

مسلمان، نیک صالح ولی یا امام اور عالم نے کبھی یہ وصیت نہیں کی کہ ان کی قبروں کو پختہ بنا کر وہاں رکوع وسجود کیا جائے بلکہ انہوں نے ہمیشہ ایسے اقدامات سے منع ہی کیا جس سے شرک کی بو آتی تھی۔

## کچی قبر کی حد اونچائی

کچی قبر ایک بالشت سے بلند نہ کی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی قبر زمین سے ایک بالشت اونچی تھی۔ (بیہقی:۴۱۰/۳) علاوہ ازیں آپؐ نے اس بات سے منع کیا کہ قبر کے گڑھے (کی مٹی) سے زیادہ مٹی ڈالی جائے (ایضاً)۔ یہی بات حضرت عقبہ بن عامرؓ سے بھی منقول ہے۔ (المغنی:۴۳۵/۳)

نبی کریم ﷺ زیادہ اونچی قبروں کو عام قبروں کے برابر کروا دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابو ہیاج اسدی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت علیؓ نے کہا:

''کیا میں تمہیں اس کام پر مامور نہ کروں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے مامور کیا تھا اور وہ یہ کہ تم کوئی تصویر یا مجسمہ مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور جو قبر زیادہ اونچی ہو اسے (عام قبروں کے) برابر کر دو۔''

(مسلم:۹۶۹، نسائی:۲۰۳۰، ابوداؤد:۳۲۱۸، ترمذی:۱۰۴۹، حاکم:۳۶۹/۱، احمد:۱۶۹/۱، بیہقی:۳/۴)

## میت کو جلانا اور دریا برد کرنا

ہندو مذہب میں ہر میت کو جلا دیا جاتا ہے اور اس کی راکھ دریا برد کر دی جاتی ہے بلکہ ستم بر ستم یہ ہے کہ مرنے والے کی بیوی کو بھی زندہ ہی جل مرنے پر مجبور کیا جاتا ہے جسے 'ستی' کہا جاتا ہے۔ اسلام نے میت کو جلانا تو کجا اس کی ہڈی توڑنے سے بھی سختی سے منع کیا ہے۔

حدیثِ نبویؐ میں ہے کہ ''میت کی ہڈی توڑنا زندے کی ہڈی توڑنے کے مترادف ہے۔'' (ابوداود:۱۹۰/۲) بلکہ اسلام نے مسلمان میت کا اس حد تک احترام باقی رکھا ہے کہ انہیں مرنے کے بعد برا بھلا بھی نہ کہا جائے چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں کہ

''مرنے والوں کو گالی مت دو اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ اس کی طرف پہنچ چکے ہیں۔'' (بخاری:۱۳۹۳)

اس حدیث کی رو سے مردے کی لاش کا پوسٹ مارٹم (میڈیکل معائنہ) ممنوع قرار پاتا ہے مگر انتہائی مجبوری اور ضرورت کے پیش نظر اس میں گنجائش ہے یعنی جب سببِ موت، وجہِ قتل اور اصل قاتل تک پہنچنے کی شدید ضرورت ہو یا مردہ عورت کے جسم سے زندہ بچہ نکالنے کی ضرورت ہو، وگرنہ محض طبی تجربات کے لئے اس کی گنجائش نہیں۔

اسی طرح سمندری سفر میں اگر کوئی فوت ہو جائے اور قریبی ساحل یا کسی جزیرے تک رسائی سے پہلے اس میں تعفن کا خدشہ ہو تو اسے سمندر کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ (المغنی:۴۳۹/۳، فقہ السنۃ:۵۵۶/۱)

www.KitaboSunnat.com

## پتھر یا لکڑی کے تابوت بنانا

گذشتہ احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوچکی ہے کہ پختہ قبریں، قبے، دربار، مزارات وغیرہ کی تعمیر خلافِ شریعت ہے، اس طرح شیشے اور لکڑی کے تابوت میں لاش کو محفوظ رکھنا بھی سنت اور عمل صحابہ کے خلاف ہے۔ البتہ فرعونِ مصر اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ قرآن کی رو سے اس کی لاش رہتی دنیا کے لئے نمونۂ عبرت ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ﴾ (یونس:۹۲)

''آج ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کے لیے نمونہ عبرت بن جائے''

صحابہ کرامؓ بھی فطری طریقے کے مطابق ہی مردوں کو دفن کیا کرتے تھے۔ ابوالعالیہؒ سے روایت ہے

''جب ہم نے تستر فتح کیا اور ہرمزان کا خزانہ حاصل کیا تو وہاں ایک تابوت (بعض روایات میں چارپائی کا ذکر ہے) تھا جس میں میت تھی اور میت کے سرہانے ایک صحیفہ تھا۔ ہم نے حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا۔ انہوں نے حضرت کعبؓ کو بلا کر اسے پڑھوایا تو کعب فرمانے لگے کہ میں سب سے پہلا عربی ہوں جس نے اسے پڑھا ہے اور میں نے اسے قرآن کی طرح پوری امانت سے پڑھا ہے۔ راوی نے کہا کہ میں نے ابوالعالیہ سے پوچھا کہ اس صحیفے میں کیا تھا؟ تو وہ کہنے لگے کہ اس میں تمہارے احوال و معاملات اور تمہارے لب و لہجے اور مستقبل کے تذکرے تھے۔ میں نے پوچھا کہ تم نے اس میت کا کیا کیا؟ کہنے لگے: ہم نے دن کے وقت تیرہ مختلف قبریں کھودیں اور پھر رات کے وقت ان میں سے کسی ایک میں انہیں دفن کیا اور سب قبریں پر کردیں تاکہ لوگ اس میت کو نکال نہ سکیں۔ میں نے کہا کہ لوگوں کو اس میت سے کیا امیدیں تھیں؟ کہنے لگے کہ وہ قحط سالی میں اس میت کو صحرا میں نکال کر بارش طلب کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اس میت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہا کہ اسے دانیال نبی سے موسوم کیا جاتا تھا۔''

(البدایہ والنہایہ:۲/۳۷، ۳۸، وصحہ منہاج السنۃ:۱/۴۸۰، ابن اسحاق:ص۶۶، اقتضاء الصراط:۳۳۹، ابن ابی شیبہ:۱۳/۲۸)

## ایک قبر میں ایک سے زیادہ مردے دفنانا

کسی ضرورت کے پیش نظر ایک ہی قبر میں ایک سے زیادہ مردے دفن کئے جاسکتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے شہدائے اُحد میں سے دو دو، تین تین کو ایک ہی قبر میں دفنانے کا حکم دیا۔ (احمد:۳/۳۹۷)

## بامر مجبوری قبر سے مردہ نکالنا درست ہے

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن اُبی کو قبر سے نکلوا کر اپنی قمیص پہنا کر دوبارہ دفن کروایا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: بخاری:۳/۱۶۷، مسلم:۸/۱۲۰، نسائی:۱/۲۸۴، بیہقی:۳/۴۰۲، احمد:۳/۳۸۱

www.KitaboSunnat.com

## بوسیدہ اور پرانی قبروں کو ختم کیا جاسکتا ہے

امام نووی فرماتے ہیں کہ بلا شرعی عذر قبر کو اکھاڑنا منع ہے۔ جب میت پرانی ہوکر مٹی بن جائے تو قبر اکھاڑنا جائز ہے اور اس وقت وہاں تعمیر یا زراعت بھی جائز ہے۔ اس زمین سے ہر طرح کا فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے، اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ ایسا اس وقت جائز ہے جب میت کی ہڈی وغیرہ کے نشان باقی نہ ہوں۔ (المجموع:۵/۳۰۳)

علامہ البانی نے 'کتاب الجنائز' میں اس فتویٰ کو نقل کرکے اس کی تائید فرمائی ہے۔ (ص۲۳۵)

سعودیہ میں بھی اس فتوے کے پیش نظر پرانی قبروں کو نئے مردوں کے لئے زیر استعمال لایا جاتا ہے۔

## ان احادیث سے درج ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں

۱۔ میت کو زمین میں ہی دفن کیا جائے۔

۲۔ پہاڑ بھی زمین کے حکم میں ہیں۔ اس لئے پہاڑوں پر تدفین اور قبرستان بنانا درست ہے۔

۳۔ آبادیوں میں قبرستان کا وسیع انتظام کیا جائے۔

۴۔ غیر مسلمانوں کی تدفین کے لئے الگ قبرستان بنائے جائیں۔

۵۔ مسجدوں، گھروں میں تدفین، پختہ مزارات کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

۶۔ قبرستانوں میں مساجد تعمیر نہ کی جائیں۔

۷۔ پہلے سے تعمیر شدہ مساجد کو ختم کرکے قبرستان کو وسعت دی جائے۔

۸۔ عوام کو کچی قبروں پر پابند کیا جائے کیونکہ تمام فقہی مذاہب کی رو سے پختہ قبروں کی ممانعت ہے۔

۱۱۔ اسی طرح پختہ قبروں کو کچی قبروں میں تبدیل کیا جائے۔ ایک قبر کے ساتھ چار دیواری، مزار یا درختوں وغیرہ کے لئے حاصل کی جانے والی زمین ضبط کی جائے۔

۱۲۔ قبرستان کی ساری زمین صرف قبروں کے لئے استعمال کی جائے۔

۱۳۔ انتہائی مجبوری کی صورت میں ایک قبر میں زیادہ مردے دفن کرنے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

۱۶۔ بوسیدہ قبروں کو نئے مردوں کے لئے قابل استعمال بنایا جائے۔

۱۷۔ کسی قبر میں لاش (میت) کے مکمل حل پذیر ہونے کی قدرتی مدت کا تجربہ کیا جائے اور اس کے بعد وہاں نئی قبر بنانے کی اجازت دی جائے۔

۱۸۔ اگر کسی قبر سے ہڈیاں وغیرہ برآمد ہوں تو انہیں نئے مردے کے ساتھ دوبارہ دفن کیا جائے۔

۱۹۔ فطری طور پر ایک دو نسلوں کے بعد نئی نسل اپنے پرانے مردے کی خبر گیری چھوڑ دیتی ہے اور آخر کار

www.KitaboSunnat.com

اس قبر کے نشان مٹ جاتے ہیں، لہٰذا ان قبروں کو قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے۔

۲۰۔ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے چونکہ قبروں کی حفاظت درست ہے لہٰذا حفاظت کرنے والے ورثا کے لئے مخصوص مدت تک اجازت دی جائے۔

مذکورہ شرعی نکات پر عمل کرنے کی صورت میں سو فیصد اطمینان سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ملٹی سٹوری قبرستان کی ضرورت ہی نہیں رہتی!

## ملٹی سٹوری قبرستان کی شرعی حیثیت

۱۔ مردوں کو دفن کرنا، کچی قبر کا انتخاب اور پختہ قبر سے اجتناب کرنا، قبر کو جائز حد تک اونچا کرنا یہ سب مسائل (اسلام کے ثقافتی شعائر) عبادات سے تعلق رکھتے ہیں اور عبادات توقیفی ہیں جن کی اصل 'حرمت' ہے۔ لہٰذا ان مسائل میں کسی نئی صورت کی اباحت کے لئے حکم شرعی کی ضرورت ہے جو مذکورہ مسئلہ میں مفقود ہے لہٰذا ایسا قبرستان درست نہیں۔

۲۔ کسی مسئلہ میں واضح (صریح) نص کی عدم موجودگی میں قیاس کے ذریعے حل نکالا جاتا ہے لیکن صحتِ قیاس کے لئے مقیس علیہ اور مقیس کے درمیان علتِ مشترکہ کا وجود ضروری ہے وگرنہ قیاس درست قرار نہیں پائے گا۔ چھت پر دفنانے اور زمین میں دفنانے کے مابین علتِ مشترکہ مفقود ہے۔ البتہ پہاڑ کی چوٹی بھی چونکہ زمین کے حکم میں ہے لہٰذا وہاں قبرستان بنانا درست ہے۔ اسی طرح زمین کے ساتھ سرنگوں اور غاروں کے تہہ خانوں کو بھی بطورِ قبرستان استعمال کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ بھی ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ﴾ کے ضمن میں شامل ہیں۔ بعض لوگوں نے زیر زمین زیادہ گہرائی اور کم گہرائی پر دفن کرنے کو بھی اس مسئلہ کا حل بتایا ہے، جو 'لحد' یعنی بغلی قبر کی صورت میں ممکن ہے۔ اگر زیر زمین زیادہ گہرائی پر میت پہنچانے اور وہاں تدفین کا عمل پورا کرنے کی گنجائش میسر آجائے تو ایسی صورت میں بھی بظاہر جواز کا پہلو نکلتا ہے۔ جس طرح زمین کی گہرائی میں ایک ہی زاویہ میں کئی قبریں بنائی جاسکتی ہیں اسی طرح قبروں کے اوپر مٹی ڈال کر اس پر مزید قبروں کا انتظام بھی بوقتِ ضرورت کیا جاسکتا ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں زائرین کی آمد و رفت کا سلسلہ متاثر نہ ہونے کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

۳۔ چھت پر قبریں بنانے سے وہ مقاصد پورے نہیں ہوسکتے جو زمین میں گڑھے کھودنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ زمین اپنی طبعی ساخت کی وجہ سے مردے کا تعفن و بدبو جذب کرکے مٹی کا حصہ بنا دیتی ہے، اسی طرح زمینی حشرات، سورج کی شعاعیں وغیرہ بھی اس کی معاونت کرتے ہیں،

www.KitaboSunnat.com

علاوہ ازیں مٹی میں دوسری چیز کو پاک کرنے (مُطَهِّر) کی صلاحیت بھی ہے مگر چھت بنانے کی صورت میں یہ مقاصد پورے نہیں ہوتے بلکہ اس سے مزید قباحتیں جنم لیں گی مثلاً:

۱) اگر چھت پر پختہ قبریں بنا کر تعفن وغیرہ کو دبانے کی کوشش کی جائے تو پختہ قبریں بنانے کی ضرورت پیش آئے گی جبکہ پختہ قبروں کی حرمت بالکل واضح ہے اور کسی فقہی مذہب نے بھی اس کی ممانعت میں اختلاف نہیں کیا۔

۲) اگر چھت پر منوں مٹی ڈالی جائے گی تو اس کے لئے انتہائی مضبوط میٹریل استعمال کرنے کے لئے کروڑوں اربوں کی لاگت برداشت کرنا پڑے گی جو ہر جگہ ممکن نہیں۔

۳) مٹی ڈال کر مردے دفنانے کی صورت میں ان کا تعفن اور بدبو کے بھبھوکے پیدا ہوں گے اور اس صورت میں زائرین وہاں داخل نہیں ہوسکیں گے۔ اگر اس تعفن کو دبانے کے لئے زہریلے کیمیکلز استعمال کئے جائیں گے اور مردے کی ہڈیاں وغیرہ گلانے کی کوشش کی جائے گی تو یہ بھی ممنوع ہے کیونکہ مردے کے جسم، ہڈیوں وغیرہ کی تعظیم بہرحال ضروری ہے۔

۴) ملٹی سٹوری قبرستان کی تعمیر کے جواز کی صورت میں سب سے بڑی قباحت یہ پیدا ہوگی کہ گویا ہر قبرستان میں ساٹھ فیصد پختہ قبریں اور مزارات کو درست تسلیم کرلیا گیا ہے۔ تبھی تو ان کی خبر لینے اور انہیں اسلامی نقطہ نظر کے مطابق کچی قبروں میں تبدیل کرنے کی بجائے نئے اُفق کھولے جارہے ہیں۔ کیونکہ کچی قبروں کی صورت میں بالعموم قبرستان کی تنگی کے مسائل پیدا نہیں ہوتے۔

۵) بارش وغیرہ کی صورت میں محدود مٹی پانی میں گھل جانے سے لاشوں کے اعضا بکھریں گے اور قبروں کی بے حرمتی ہوگی۔

۶) زلزلے وغیرہ کی صورت میں ایسی عمارت کا گرنا خطرے سے خالی نہیں بلکہ جتنی سخت اور مضبوط عمارت ہو، اتنی ہی جلدی وہ زلزلے کی نذر ہوتی ہے، اسی لئے زلزلے والے علاقوں میں لچک دار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں لیکن اگر قبرستان کی عمارت ویسی لچک دار ہوگی تو اس سے مطلوبہ مقاصد پورے نہ ہوں گے اور عمارت گرنے کی صورت میں لاشوں کی بے حرمتی کا کون ذمہ دار ہوگا؟ جبکہ شریعت میں تمام صورتوں کا آسان اور سادہ حل موجود ہے۔

۴۔ مذکورہ مسئلہ بہرصورت شک وشبہ سے بالا نہیں لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ دع ما یریبك الی ما لا یریبك (شک والی چیز چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرو) پر عمل کرتے ہوئے، فقد استبرأ لدینه وعرضه (جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرلیا) کی نبوی بشارت حاصل کی جائے۔ (ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب)

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور مغرب

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ☆

# غیر مُسلم اقوام سے مشابہت؟

امریکہ کی موجودہ جنگ طالبان کی بجائے اسلام سے جنگ ہے، بعض اہل دانش اسے تہذیبوں کی جنگ بھی قرار دے رہے ہیں، جیسا کہ صدر بش نے ۱۱ر ستمبر کے حملوں کو امریکی تہذیب کے خلاف حملہ قرار دیا۔ اسلام اپنی تہذیب میں کیا خصوصیات رکھتا ہے اور غیر مسلم تہذیبوں کے بارے میں اس کا رویہ کیا ہے؟ زیر نظر مضمون اسی موضوع کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ محدث، جولائی ۲۰۰۱ء کا شمارہ بھی اسلام اور مغرب کی اسی تہذیبی کشمکش سے مخصوص تھا، جس کا مطالعہ بھی اس سلسلے میں مفید ہوگا۔ علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں اسی موضوع پر وقیع بحث کی گئی ہے۔ (حسن مدنی)

## اسلامی تہذیب کے تقاضے

دورِ حاضر تہذیبی تصادم (Clash of Civilizations) کا دور کہلاتا ہے۔ سات براعظموں پر پھیلا ہوا کرۂ ارضی سائنسی ایجادات اور الیکٹرانک میڈیا کے سامنے سمٹ کر گلوبل ویلج بن چکا ہے۔ اس بڑے گاؤں پر مغربی ثقافتی یلغار سیل رواں کی طرح چھائی جارہی ہے اور غالب یورپی اقوام عسکری چڑھائی اور ایک بالشت کی بھی دیوار پھاندے بغیر بیڈرومز تک تہذیبی غلبہ پاچکی ہیں۔ سونیا گاندھی بھی طعنے دے رہی ہے کہ ہم نے پاکستان کے ساتھ ثقافتی جنگ جیت لی ہے۔

عصر حاضر کی اس ثقافتی جنگ (Culture War) میں بحیثیتِ مسلم قوم ہمارے تین طرح کے رویے سامنے آتے ہیں۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جو مغربی ثقافت کی برتری تسلیم کرکے اس سے مرعوبیت کا شکار ہیں، بے شمار خرابیوں کے باوجود اب وہ دنیاوی ترقی کو اسی سے مشروط سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے وجود، طور اطوار اور قول وعمل سے اسی کی نمائندگی کررہے ہیں۔ یہ ترقی پسند اور تجدد پسند گروہ ہے۔

دوسرے گروہ کا رویہ قدامت پسندانہ ہے۔ انہوں نے مغرب کے تہذیبی مظاہر کی مخالفت کو اپنا رکھا ہے اور وہ اپنے بودوباش ، روزمرہ لباس اور بول چال کے طور طریقوں میں بھی باہتمام پرانے طریقوں کو سختی سے پکڑے نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض ایسی باتیں جو اسلامی تہذیب کا حصہ تو نہ تھیں لیکن ماضی میں دین دار طبقے کی عکاسی کرتی تھیں مثلاً کالر والاقمیص نہ پہننا، وہ اس کی پابندی بھی کرتے ہیں۔

مسلمانوں کا تیسرا گروہ توازن واعتدال کی پالیسی پر کارفرما ہے۔ وہ باتیں جو شرعاً معیوب نہیں، اور ان کو اپنانا جائز ہے، یہ لوگ ان کی پابندی پر اصرار نہیں کرتے۔ الكلمة الحكمة ضالة المؤمن کی

☆ صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج، سمندری

www.KitaboSunnat.com

حکیمانہ روش اور خذ ما صفا ودع ما کدر کی مؤمنانہ فراست کے ساتھ باعث خیر کو قبول کرنا اور باعثِ شر کو ردّ کرنا ان کا طریقہ ہے۔

یہاں پر چند سوال پیدا ہوتے ہیں کہ کیا مسلمان ایک بہروپیا کا کردار اپنانے والا ہوتا ہے کہ ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لے اور تہذیبِ اغیار کا نمائندہ بن جانا گوارا کرلے۔ کیا اسلامی تہذیب پر کاربند رہنا اس کے لئے لازم نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی مسلمان صرف اپنی تہذیب کا علمبردار ہوتا ہے، بہروپیا نہیں کہ تہذیبِ اغیار کو وردِ زبان اور حرزِ جان بنا لے، لیکن ثقافتی جنگ میں باعث خیر کو بھی ردّ کرتے چلے جانا کیا اسلامی سوچ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ باعثِ خیر کو ردّ کرنا اسلامی طرزِ فکر نہیں بلکہ مشرکین مکہ کا وطیرہ ہے۔ وہ کہتے تھے اے اللہ! اگر یہ حق تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کا مینہ برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ۔[1]

مسلمانوں کے اس قسم کے رویوں کے بالمقابل اگر ہم پیغمبر انقلاب حضرت محمد ﷺ کی انقلابی سیرت کا مطالعہ کریں کہ آپؐ نے مشرکین مکہ، جزیرۃ العرب کے اہل کتاب اور مجوسِ عجم کے تہذیبی طور اطوار کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا تھا؟ تو اس سے ایک متوازن راہ عمل اپنائی جاسکتی ہے۔

محمد بن حبیب (۲۴۵ھ) کی کتاب المُحَبّر[2] جیسی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد تہذیبِ اغیار کے بارے میں آپؐ کے رویے کا خلاصہ یوں سامنے آتا ہے

۱۔ باطل اور شر کی نمائندہ روایات کو تمام تر مخالفت کرتے ہوئے ردّ کرنا۔

۲۔ خیر و شر کی جامع ثقافتی رسومات کو ردّ و بدل کے بعد اپنانا۔

۳۔ عمدہ اخلاقی و تمدنی عادات کو بعینہٖ قبول کرلینا۔

۴۔ کلیتاً نئی تہذیبی تعلیمات سامنے لانا۔

سیرتِ نبویؐ کا تہذیبی کشمکش کے حوالے سے جائزہ لینے سے پہلے تہذیب و تمدن یا ثقافت و کلچر کے بارے میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔ یہ چاروں لفظ معمولی اصطلاحی فرق کے باوجود باہم مترادف معنوں میں مستعمل ہیں۔ ان کے مفہوم میں کسی قوم کے عقائد و نظریات کی بنیاد پر اختیار کردہ مذہبی، اخلاقی، سماجی رویے اور معاشرتی، معاشی و سیاسی طرزِ زندگی شامل ہے۔ سماجی علوم کے نامور ماہرین کی تعریفوں میں الفاظ کا معمولی فرق تو پایا جاتا ہے لیکن تہذیب و تمدن یا ثقافت و کلچر کی مشترک روح سب کے ہاں یہی ہے کہ افکار و نظریات اور ان کی بنیاد پر اختیار کردہ انسانی زندگی (بالفاظِ دیگر عقیدہ و عمل کے مجموعے) کا نام تہذیب و تمدن ہے۔ نامور مسلم تاریخ دان اور ماہر عمرانیات ابن خلدون (۸۰۸ھ/۱۴۰۶ء) کے ہاں لفظ

www.KitaboSunnat.com

حضارۃ اسی مفہوم کی نمائندگی کرتا ہے۔(۳)

یہ بات واضح ہونے کے بعد کہ تہذیب وتمدن میں اصل بنیاد عقائد ونظریات ہیں اور انداز بود وباش، طرزِ معاشرت، طرزِ معیشت، طرزِ سیاست، علوم وفنون، عبادات ومعاملات یہ سب ظاہری رویے ہیں، اس بات کو دہرانا بھی مفید ہوگا کہ ہر آدمی اپنے اپنائے ہوئے نظریۂ حیات کی بنیاد پر خطوطِ زندگی استوار کرتا ہے۔کسی فرد یا قوم پر تہذیبی غلبہ پانے کے لئے 'غزوِفکری' کی مدد سے اس کے نظریات کی بنیادیں متزلزل کرنا شرطِ اوّلین ہے۔

اب ہم تہذیبی کشمکش کے حوالے سے سیرتِ نبویؐ کا جائزہ لیتے ہیں تو سب سے پہلے نبی ﷺ خود تصادم کا آغاز کرتے نظر آتے ہیں۔ جب آپؐ نے یہ نعرہ لگایا 'لا الہ الا اللہ.....' جس نے ان کے عقائد اور نظام کی نفی کی، ان کے رسم ورواج اور رذائل اخلاق کی نفی کی، ان کے معاشرتی نظام اور اس میں پائی جانے والی اونچ نیچ کی نفی کی، نسل پرستی وآبا پرستی کی نفی کی، ہوائے نفس کی نفی کردی، گویا آپؐ نے تہذیب وتمدن کے جملہ رویوں اور مظاہر کی نفی کر کے تہذیبی ٹکراؤ کا آغاز کردیا۔

آپؐ نے مشرکین عرب اور اہل کتاب کے عقائد کو بیتِ عنکبوت ٹھہرایا۔ ان پر واضح کیا کہ یہ صنم، پتھر کی خراش تراش کے باوجود پتھر ہی رہتا ہے، نفع ونقصان کا مالک نہیں بن جاتا۔ یہ بے چارا تو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی سے کچھ واپس نہیں لے سکتا۔(۴) اسی طرح اہل کتاب کے انبیاء اللہ کو ابن اللہ قرار دینے کے غیر معقول عقیدے کی گرہ کشائی کی۔(۵) چنانچہ مظلوم بدنام مصلح محمد بن عبدالوہاب (۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء) نے اپنی کتاب میں ایک سو جاہلانہ نظریاتی مسائل پر اسلامی تنقید کو جمع کردیا ہے۔(۶)

پیغمبر ﷺ نے مسلسل ۱۳/سالہ مکی دور میں ان کی تہذیبی بنیادیں منہدم کیں اور اپنی نظریاتی بنیادیں مضبوط کیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکی دورِ رسالت درحقیقت اسلامی تہذیب کی جڑیں مضبوط کرنے اور بالمقابل تہذیبوں کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا دور ہے۔

اس کے بعد مدنی دور اسلامی تمدن وثقافت کو پروان چڑھانے کا دور ہے۔اس میں آپؐ نے اپنے اردگرد موجود اَقوام کے تہذیبی رویوں کی زیادہ تر مخالفت کی کیونکہ وہ تمدن برائی کے علمبردار بن چکے تھے۔ یہ مخالفت اس قدر شدید تھی کہ بالآخر آپؐ کے بارے میں یہود چلا اُٹھے کہ

"ما يريد هذا الرجل أن يدع من أمرنا شيئا إلا خالفنا فيه"(۷)

''اس شخص نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرے گا''

آپؐ کا رویہ بھی اس بارے میں کچھ یوں تھا

www.KitaboSunnat.com

"هدينا مخالف لهديهم" ہماری ثقافت اغیار کی ثقافت سے الگ تھلگ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اس شدت سے مخالفت کرنا بالکل فطری تھا، کیونکہ انسانی وجود میں ظاہر و باطن کا گہرا تعلق ہے۔ ظاہر باطن کا پابند ہے اور باطن ظاہر سے متاثر۔ اگر ظاہری یعنی خارجی طور پر ہم غیر اسلامی تہذیب کو اختیار کریں گے تو اس کے اثرات دل و دماغ پر ضرور مرتب ہوں گے۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس غیر اسلامی تہذیب کے گمراہ کن افکار ونظریات بھی قلبِ مسلم پر قبضہ کرلیں گے۔ اس تباہ کن خدشہ کے پیش نظر پیغمبر حکمت و دانش علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو غیر مسلم اقوام کے تہذیبی طور اطوار سے بالکل کاٹ دیا اور اس بارے میں نرمی دکھانے والوں کو بارہا آگاہ کیا کہ اگر میری پیش کردہ اسلامی تہذیب کی بجائے دوسروں کی طرف رخ کرو گے تو پھر انہیں میں گردانے جاؤ گے:

من تشبه بقوم فهو منهم (۸) ''جو جس قوم سے مشابہت اپنائے گا وہ انہی سے ہوگا''

مسلم قوم کی اعلیٰ ایمانی، اخلاقی وتمدنی تعلیمات سے تربیت کے بعد آپ کو غیر اسلامی تہذیب کی طرف ذرا سا میلان گوارا نہ تھا۔ حضرت عمرؓ (۲۳ھ/۶۴۴ء) نے یہودِ مدینہ کے پاس سے گذرتے ہوئے تورات سے ان کی صرف ایک دعا نوٹ کی اور آکر نبی ﷺ کے پاس پڑھنی شروع کردی تو آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ (۹)

آپؐ نے شرفِ انسانی کے منافی انداز کو ردّ کرتے ہوئے اسلامی تہذیب میں وہ طور طریقے شامل کئے جو ہر لحاظ سے انسانی وقار کے شایانِ شان تھے۔ مثلاً قبل از اسلام عرب مردوں میں کھڑے ہوکر بھی پیشاب کرنے کا رواج تھا جبکہ عورتیں بیٹھ کر ہی پیشاب کرتیں۔ آپؐ نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا نامناسب انداز پسند نہیں فرمایا اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کو رواج دیا تو عرب پکار اٹھے کہ انہوں نے تو عورتوں کا سا انداز اپنا لیا ہے۔

إنه ﷺ بال جالسا مخالفا لعادة العرب فقالوا متعجبين انظروا إليه يبول كما تبول المرأة (۱۰)

''آپ نے اہل عرب کی عادت کے برعکس بیٹھ کر پیشاب (کرنے کا رواج عام) کیا تو وہ تعجب اور حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ دیکھو: ایسے پیشاب کرتا ہے جیسے عورتیں.....''

ماہانہ ایام میں عورت سے روا رکھے جانے والے غیر انسانی اور غیر اخلاقی یہودی رویے کے برعکس آپؐ نے جنسی تعلقات سے ہٹ کر دیگر تمام تعلقات باقی رکھنے کی اجازت دے دی۔ (۱۱) تو اس پر بھی یہودی چلائے تھے کہ مايريد هذا الرجل أن يدع من أمرنا شيئا إلا خالفنا فيه

ہر تہذیب کا نمائندہ بنیادی یونٹ گھر ہوتا ہے۔ یہود کے گھر گندگی کے ڈھیر ہوتے تھے۔ آپؐ نے

www.KitaboSunnat.com

اس حوالے سے ان کی مشابہت سے منع فرمایا: لا تشبهوا باليهود[۱۲] اور ایک حدیث میں اپنے گھر بار کو صاف ستھرا رکھنے کی تلقین کی، ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہودی صاف ستھرا نہیں رکھتے۔

طهروا أفنيتكم فإن اليهود لا تطهر أفنيتها[۱۳]

''تم اپنے گھر بار کو صاف ستھرا رکھا کرو۔ یہود اپنے گھروں کو صاف ستھرا نہیں رکھتے۔''

آپ نے گھر بار کے حوالے سے یہودیوں کے گندے کلچر کے مقابلے میں انتہائی صاف ستھرا کلچر پیش کیا بلکہ اسلامی کلچر میں الطهور شطر الايمان[۱۴] فرما کر ہر طرح سے صفائی کو نصف ایمان ٹھہرایا گیا۔ دورِ حاضر کے مسلم مفکر عالیجاہ عزت بیگووچ کے الفاظ میں

''یہ اسلام کا اعزاز ہے کہ اس نے جسمانی صفائی کو بھی ایمان وعقیدے کا جزو بنایا۔ دیگر تمام مذاہب میں جسم اور اس کی نظافت 'خارج از بحث' ہے۔ مثال کے طور پر مسیحیت کے پھلنے پھولنے کے ساتھ رومی تہذیب کے بنائے ہوئے غسل خانے غائب ہونے لگے۔ کلیسا نے غسل خانے، گرجا گھروں اور معبد خانوں میں تبدیل کر دیئے۔ اس کے برعکس اسلام نے مساجد کے ساتھ غسل خانے اور طہارت خانے قائم کروائے۔ دنیا میں کوئی ایسی مسجد نہیں ہے جس میں فوارہ (یا موجودہ دور میں وضو خانہ) نہ ہو۔ یہ سب اتفاقی طور پر نہیں ہوا''۔[۱۵]

دورِ جاہلیت میں عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ بچے کی پیدائش پر عقیقہ کے جانور کے خون میں روئی رنگتے اور پھر بچے کی حجامت کے بعد یہ روئی سر پر رکھتے۔ آپؐ نے ان کی اس جاہلانہ رسم کی مخالفت کی اور اس کی جگہ اس کے سر پر خوشبو لگانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اجعلوا مكان الدم خلوقا[۱۶]

''خون کے مقامات پر خوشبو لگاؤ'' کیونکہ آپؐ ایسا کلچر پروان چڑھا رہے تھے جو ہر طرف خوشبوئیں بکھیرنے والا تھا۔

اہل کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کم کرنے کی تلقین کی۔ تاکہ اسلامی تہذیب کی شناخت ہو اور مسلمان ہر جگہ اپنی ثقافت کا علمبردار ہو۔ آپؐ نے فرمایا:

"وفّروا عثانينكم وقصروا سبالكم وخالفوا أهل الكتاب"[۱۷]

''اپنی داڑھیوں کو بڑھاؤ، مونچھوں کو کاٹو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

سر پر غیر مہذبانہ اور مضحکہ خیز انداز میں کچھ بال کٹوانے اور کچھ چھوڑنے والی طرزِ حجامت کو ترک کرنے کا حکم دیا: نهى عن القزع قال وما القزع؟ قال: أن يحلق من رأس الصبى مكان ويترك مكان[۱۸]

''رسول اللہ نے 'قزع' سے منع کیا، صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! 'قزع' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بچے کے سر کے کچھ بال کٹوا لئے جائیں اور سر کا کچھ حصہ ایسے ہی چھوڑ دیا جائے۔''

www.KitaboSunnat.com

سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو یہود و نصاریٰ کی مخالفت میں مہندی سے رنگنے کا حکم دے کر آپؐ نے اپنی ثقافتی جنگ جاری رکھی اور فرمایا: "إن اليهود والنصارىٰ لا يصبغون فخالفوهم" (۱۹)

''بے شک یہود و نصاریٰ (سر اور داڑھی) کے بالوں کو رنگتے نہیں، تم ان کی مخالفت کرو''

وضع قطع کے علاوہ لباس تک میں کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ آپؐ نے جب حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص پر زرد رنگ میں رنگا ہوا کپڑا دیکھا تو فرمایا: "أ أمك أمرتك بهذا؟ کیا تیری ماں نے تجھے یہ پہننے کا حکم دیا ہے؟ حضرت عبداللہؓ آپؐ کی ناراضگی جان گئے اور پوچھا کیا اس کو دھو ڈالوں؟ آپؐ نے فرمایا: بل أحرقهما إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها" (۲۰)

''بلکہ انہیں جلا دو۔ یہ کفار کے کپڑے ہیں، انہیں مت پہنو''۔

مشہور عربی مقولہ ہے کہ الناس باللباس ''لباس لوگوں کی پہچان ہوتا ہے''۔ پیغمبر اسلام کو یہ قطعاً پسند نہیں تھا کہ ایک مسلمان غیر اسلامی تہذیب کا مظہر مخصوص لباس پہن کر ان کی تہذیب کا چلتا پھرتا نمائندہ نظر آئے۔ بلکہ غیر اسلامی تہذیب کا کوئی رنگ ڈھنگ وجودِ مسلم پر عیاں ہونا اسلامی غیرت کے منافی ہے۔ اسی لئے آپؐ نے لباسِ رہبان پہننے والے کے بارے میں اپنے غصے کا اظہار فرمایا۔ اور اسے صحیح معنوں میں اپنے ماننے والوں میں ہی تسلیم نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إياكم ولبوس الرهبان، فإنه من تزيا بهم أوتشبه فليس منى" (۲۱)

''راہبوں کا لباس پہننے سے بچو، جس نے ان کا سا لباس پہنا، یا ان سے مشابہت اختیار کی وہ میرے طریقہ پر نہیں۔''

مسلمانوں کو آپ نے اپنی معاشرت میں یہود و نصاریٰ کے طرزِ ملاقات اور اندازِ دعا و سلام کے اپنانے سے بھی روکا تاکہ ان کی تہذیبی روایات مسلمانوں میں در نہ آئیں۔ آپ نے فرمایا: "لاتسلموا تسليم اليهود والنصارىٰ فإن تسليمهم بالأكف والرء وس والإشارة" (۲۲)

''یہود اور نصاریٰ کا طرزِ سلام اختیار نہ کرو۔ وہ ہاتھ، سر اور اشارہ سے سلام کرتے ہیں۔''

یہود و نصاریٰ کے سر اور ہاتھ کے مخصوص اشارے والے سلام کے علاوہ آپؐ نے مشرکین عرب کے اندازِ سلام و کلام کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ جب غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ شکست کھا کر غم و غصہ میں تلملا رہے تھے تو صفوان بن امیہ نے عمیر بن وہب جمحی کو آپؐ کے قتل کے لئے بھیجا۔ عمیر نے مدینہ پہنچ کر مسجدِ نبوی میں آپؐ سے ملاقات پر صبح بخیر کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے تحیہ سے مشرف کیا ہے جو تمہارے اس تحیہ سے بہتر ہے یعنی سلام سے، جو اہل جنت کا تحیہ ہے''۔ (۲۳)

آپؐ نے مسلمانوں کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ جیسا سلامتی والا سلام سکھایا ہے اور ساتھ یہ بھی

www.KitaboSunnat.com

تلقین کی ہے کہ یہ تمہارا مخصوص ثقافتی شعار ہے، تم نے اپنے اس ثقافتی شعار (Symbol) کو یہود ونصاریٰ کے لئے قطعاً پیش نہیں کرنا ہے: لاتبدؤا اليهود ولا النصاریٰ بالسلام[۲۴] ''یہود ونصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو''۔ آپؐ کو اپنے پاکیزہ کلچر کی کسی درجے میں بھی اِہانت گوارا نہ تھی؛ بایں سبب غیر مسلم کے لئے السلام علیکم کہہ کر ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ اغیار کی ثقافت کا حصہ نہیں ہے بلکہ خاص مسلم ثقافت کی پہچان ہے۔

بوقتِ ملاقات ایک انسان کا دوسرے کی بڑائی کے لئے اس کے آگے جھکنا انسانیت کی تذلیل ہے کیونکہ بندہ خالق کی بجائے اپنے جیسے ایک دوسرے بندے کے آگے جھک رہا ہے۔ آپؐ نے اپنی ثقافت میں اس ذلت سے انسانیت کو نکال کر برابری کے درجے میں ملنے کو رواج دیا اور فرمایا: لا ينحى الرجل للرجل[۲۵].....

اسی طرح عجمی طرزِ استقبال کو بھی؛ جس میں کسی بڑے کی آمد پر کھڑے ہونے کا رواج تھا؛ آپؐ نے یہ کہہ کر ردّ کردیا: "لا تقوموا كما يقوم الأعاجم"[۲۶] اس استقبال میں بھی شرفِ انسانی پامال ہوتا تھا۔ آپؐ نے ایسے کلچر کو قطعاً فروغ دینا مناسب نہیں سمجھا، اس لئے عجمی کلچر کی نفی کی۔ غیر اسلامی تہذیبیں اپنے علمبرداروں میں تکبر وغرور کو خوب پروان چڑھاتی ہیں۔ ان کی چال ڈھال اور لباس فاخرانہ انداز کے عکاس ہوتے ہیں، درحقیقت یہ کبر ونخوت کا وطیرہ اخلاقیات کی دنیا میں اخلاقِ رذیلہ میں شمار ہوتا ہے جب کہ آپؐ اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے: "إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق"[۲۷] ''میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''

یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے لباس اور چال ڈھال میں متکبرانہ رویے کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی اور فرمایا:

"إن الله لا ينظر إلى من جرثوبه خيلاء"[۲۸]

''اللہ اس شخص کی طرف نظر تک نہیں اٹھاتے جو تکبر سے اپنا کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر چلتا ہے''

نیز قرآن نے بھی نصیحتِ لقمان نقل کی ہے:[۲۹]

﴿لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا﴾

''زمین پر اکڑ کر مت چل، اس سے نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندیوں کو پہنچ سکتا ہے۔''

آدابِ خوردونوش کسی کلچر کا اہم ترین حصہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ آدمی کی پہچان کھانے کی میز پر ہوتی ہے۔ آپؐ نے مسلم دسترخواں پر حلال اور طیب اشیا سجانے کی اجازت دی ہے۔ اس کے برعکس حرام اور خبیث اشیا کی طرف ہاتھ بڑھانے کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلی یا چوہے، کتے یا خنزیر

www.KitaboSunnat.com

کے غلیظ گوشت کبھی بھی مسلمانوں کے دستر خوان کی زینت نہیں بنے۔

علاوہ ازیں فرداً فرداً کھانے کی عربی ثقافت میں تکبر کی بو اور باہمی پیار محبت کا فقدان نظر آتا تھا۔اس لئے آپؐ نے مل کر کھانے کو باعث برکت قرار دیتے ہوئے اس کلچر کو رواج دیا۔(۳۰) نیز میلے کچیلے ہاتھ منہ کے ساتھ کھانے پر جھپٹ پڑنے کی بجائے ہاتھ دھوکر، بسم اللہ پڑھ کر، اپنے سامنے سے اطمینان اور سکون کے ساتھ کھانے کا انتہائی مہذبانہ کلچر پروان چڑھایا۔(۳۱) کوئی بھی غیر اسلامی تہذیب آج تک اس مسلم ثقافت کا مقابلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی طرح کچھ لوگ ترکِ یہودیت کے بعد اسلام میں داخل ہوئے۔ سابقہ مذہبی اثرات کے تحت ہفتے کے دن کو متبرک گردانتے ہوئے اس دن کی تعظیم، رات کی عبادتی رسم کی ادائیگی اور تورات کی چند آیتوں کے موافق عمل کرنے کی آپؐ سے اجازت چاہی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾(۳۲) مسلمانو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ، یعنی اسلام اپنے ساتھ تہذیبِ اغیار کی ذرا سی آلائش بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ دوٹوک ثقافتی جنگ کا اعلان کرتا ہے۔

آپ نے یہودیوں کے متبرک دن ہفتے اور عیسائیوں کے متبرک دن اِتوار کو چھوڑ کر اپنے لئے جمعہ کے دن کو پسند فرمایا۔یعنی ہفتہ وار مذہبی عبادت کے لئے دوسرے مذاہب کے طور اطوار اپنانا تو دور کی بات ہے، آپؐ نے دن کی مماثلت بھی گوارا نہیں کی بلکہ جگہ جگہ ثقافتی ٹکر مول لی۔ اغیار کی اجارہ داری کے سامنے یا اپنی رواداری کے نام پر ثقافتی جنگ میں قطعاً نرم رویہ نہیں دکھایا۔ بلکہ معاشرتی روایات ہوں خواہ مذہبی رسومات، ہر جگہ اپنے عقیدے کی بنیاد پر سلامتی پر مبنی روایات اور خالص عبادات پر مبنی ثقافت کو ترویج دی۔ امام بخاری نےصحیح بخاری میں 'امام الجاہلیۃ' کا باب باندھ کر اس ٹکراؤ کی نشاندہی کی ہے۔(۳۳)

نماز کے لئے اعلان یا بلاوے کے حوالے سے جب آپؐ کے سامنے نرسنگا کی تجویز رکھی گئی تو آپؐ نے اس کو ناپسند فرمایا کہ یہ یہود کا کام ہے، اس کے بعد ناقوس کی تجویز سامنے آئی تو آپؐ نے اسے بھی نصاریٰ کا کام کہہ کر ناپسند قرار دیا۔(۳۴) ثقافتی جنگ یہاں بھی جاری تھی اور آپؐ اہل کتاب سے عبادت میں کسی طور مشابہت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ اہل کتاب کا قبلہ پسند نہیں رہا بلکہ یہاں بھی تبدیلی ضروری جانی۔ باربار اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے بیت اللہ کو قبلہ ٹھہرائے جانے کی التجا میں ثقافتی جنگ کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ بالآخر یہود و نصاریٰ کے قبلے کی بجائے اپنی پسند کے قبلے کی طرف رخ کرنے کی اجازت مل گئی۔(۳۵)

www.KitaboSunnat.com

غیر اسلامی تہذیبوں سے مذہبی مشابہت پیغمبر انقلاب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزاج کے خلاف تھی، اس لئے اوقاتِ عبادات بھی الگ مقرر کئے اور اغیار کے اوقاتِ عبادت مثلاً طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب کے وقت عبادت ممنوع قرار دی۔ (۳۶)

طریق عبادت میں بھی ثقافتی ٹکراؤ جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ ایک آدمی کو بائیں ہاتھ پر ٹیک لگائے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے منع فرماتے ہوئے کہا: إنها صلاة اليهود (۳۷) یہ یہودیوں کی سی نماز ہے۔ اسی طرح یہود کی مخالفت کا حکم دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

خالفوا اليهود فإنهم لايصلون فى نعالهم ولا خفافهم" (۳۸)

''یہود جوتے اور موزے میں نماز ادا نہیں کرتے، تم اس میں ان سے مخالفت کرو''

نماز کے بہت سے مسائل کی طرح روزے کے بارے میں بھی مخالفت والا رویہ ظاہر و باہر ہے۔ سحری کو اپنے اور اہل کتاب کے روزہ کے درمیان فرق قرار دے کر روزے کے آغاز سے ہی مخالفت کی بنیاد رکھی اور فرمایا: "فصل ما بين صيامنا وصيام أهل الكتاب: أكلة السحور" (۳۹)

''ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان بنیادی فرق سحری کھانا ہے۔''

آپ نے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کے لئے روزے کی افطاری میں تعجیل کو اظہارِ دین کا سبب قرار دیا ہے۔ یعنی جب تک مخالفت برقرار رہے گی، افطاری بلا تاخیر ہوگی، مسلمان غالب رہیں گے؛ اس کے برعکس اگر مخالفت ترک کردیں، افطار میں تعجیل کی بجائے احتیاط کے نام پر تاخیر در کر آئے گی تو غلبہ دین باقی نہیں رہے گا۔ حدیثِ نبویؐ کے الفاظ کچھ یوں ہیں: "لايزال الدين ظاهرا ماعجل الناس الفطر لأن اليهود والنصارىٰ يؤخرون" (۴۰)

''دین اسلام اس وقت تک غالب رہے گا جب تک مسلمان افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ اس میں تاخیر کرتے ہیں۔''

حضرت اُمّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہفتے اور اتوار کے دن اکثر روزہ رکھا کرتے تھے اور فرماتے کہ إنهما يوما عيد للمشركين وأنا أريد أن أخالفهم" (۴۱)

''یہ مشرکوں کی عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت کرنا پسند کرتا ہوں۔''

یہودی عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے، آپ نے ان کی مخالفت کے لئے صحابہ کو حکم دیا

صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود (۴۲)

''نو اور دس محرم دونوں کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو''

نماز اور روزے کی طرح حج میں بھی اَغیار کی مخالفت کا رجحان جاری ہے۔ مشرکین عرب حج کے

www.KitaboSunnat.com

دوران غروبِ آفتاب سے قبل عرفات سے چل پڑتے تھے اور مزدلفہ سے طلوعِ آفتاب کے بعد روانہ ہوتے۔ آپؐ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے عرفات سے غروبِ آفتاب کے بعد اور مزدلفہ سے طلوعِ آفتاب سے قبل کا اسلامی طریقہ جاری کیا۔ (۴۳)

سیرتِ نبوی کا تفصیلی مطالعہ ایسے بہت سے اُمور سامنے لاتا ہے۔ جن میں آپؐ نے ثقافتی جنگ لڑی۔ چند روایات کی نشان دہی کی جاچکی ہے۔ کیا یہ ساری مخالفت، مخالفت برائے مخالفت کی سوچ کے تحت تھی یا اعلیٰ اخلاقی اقدار اور بہترین تہذیبی روایات کو فروغ دینیکی خاطر تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ اس مخالفت کا سبب غیر مسلم تہذیبی روایات کا شر تھا یا پھر ان روایات کا کفر کا نمائندہ ہونا تھا۔ ورنہ اسلام کا یہ مزاج قطعاً نہیں ہے کہ مخالفت کے نام پر برائی کے ساتھ ہر اچھائی کی بھی مخالفت کرتا چلا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ تہذیبِ اسلامی کے بالمقابل اس دور کی دیگر تہذیبیں اعلیٰ تعلیمات اور بہترین تہذیبی روایات میں مقابلہ کرنے سے قاصر تھیں۔ علاوہ ازیں اسلامی تہذیب میں زندگی کے ہر میدان میں جدت (Modernization) اور ترقی کی گنجائش موجود ہے۔ اپنے غلبے کے دور میں تہذیبِ انسانی کے ارتقا میں اسلامی تہذیب نے بھرپور کردار ادا کیا۔ حتیٰ کہ مغربی دانشوروں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ آج بھی اسلامی تہذیب میں یہ صلاحیت باقی ہے۔ صرف اس تہذیب کے ماننے والوں میں حضرت عمرؓ جیسے پختہ فکر حاملین کی ضرورت ہے۔

حضرت عمرؓ کو بیت المقدس کی فتح پر چابیاں پیش کرنے کے لئے اہل کتاب نے یاد کیا تھا۔ حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ کپڑے پیوند زدہ تھے۔ سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے اعلیٰ لباس پہننے کی گذارش کی تو فرمایا کہ ہمیں عزت اسلام کی بدولت نصیب ہوئی ہے (۴۴) لباس کی بدولت نہیں۔

اسلام اور اسلام کی بنیاد پر معرض وجود میں آنے والی اسلامی تہذیب کل بھی عزت بخشنے والی تھی اور آج بھی ہے، کل بھی ہوگی۔ اور صرف اور صرف یہی تہذیب انسانیت کے لئے سلامتی کا پیغام اور بہترین طرزِ زندگی کا نمونہ پیش کرسکتی ہے؛ جس میں ہر علاقے، موسم اور افراد کے مطابق لچک موجود ہے اور اسی لچک کی بدولت اسلامی تہذیب دنیا میں ہرجگہ چل سکی۔ یہ تہذیب بنیادی ٹھوس فکری راہنمائی میں تو لچک نہیں دیتی لیکن ظاہری رویوں میں کفر وشرک کی نمائندہ نہ ٹھہرنے والی تمام روایات کے ساتھ نبھا کا سبق دیتی ہے۔ فطرتِ انسانی کی ہر خواہش پر پہرے بٹھانے یا شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑنے کی بجائے اسے اعتدال کی راہ دکھاتی ہے۔ لہٰذا ہمیں پھر سے اپنی اسلامی تہذیب کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ذہنی طور پر مرعوب ہونے کی وجہ سے ہمیں اسلام تو پسند ہے لیکن اسلامی

www.KitaboSunnat.com

تہذیب پسند نہیں جبکہ سیرت النبیؐ کی تعلیمات اس کے برعکس ہے۔

آپؐ اپنے ہر خطبے میں فرمایا کرتے تھے: خير الهدى هدى محمد ﷺ [۴۵] یعنی ''محمد ﷺ کا تہذیبی رویہ ہی سب سے بہتر تہذیبی رویہ ہے''۔اس تہذیب کے دامن پر کوئی سیاہ دھبہ نہیں ہے؛ بلکہ ليلها كنهارها کہ اس کی توراتیں بھی دن جیسی روشن ہیں اور اس تہذیب کا معاشرتی وسماجی رویہ اپنے اندر بڑی کشادگی رکھتا ہے۔ ایک دفعہ عید کے موقع پر حبشی اپنا کھیل کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: ليعلم اليهود أن في ديننا فسحة [۴۶]

''یہودیوں کو خبر ہونی چاہئے کہ ہمارا دین یعنی ہماری ثقافت بڑی وسعت رکھتی ہے۔''

اس روایت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اسلامی تہذیب تنگ نظر یا گھٹن والے رویے کی آئینہ دار نہیں ہے البتہ نام نہاد آزادی کے نام پر آوارگی پھیلانے والے، انسانیت کے لئے تباہ کن تہذیبی رویوں کی ضرور مخالف ہے۔

آج ہمیں مغرب کی بڑھتی ہوئی ثقافتی یلغار کے مقابلے میں اپنے کردار اور رویے کا سیرت النبیؐ کی روشنی میں جائزہ لینا چاہئے۔ ان کے 'تھنک ٹینک' انہیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ عسکری چڑھائی کے ذریعے کوئی ملک فتح کرنا مشکل ہے اور اس پر قبضہ رکھنا دنیا بھر سے بدنامی کا باعث ہے۔اس کی بجائے تہذیبی تصادم کی راہ اپناتے ہوئے تہذیبی غلبہ پائیں اور پھر تہذیبی لوازمات فروخت کرکے خوب دولت کمائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمان علمی دنیا میں یتیم، سیاسی طور پر غیر مستحکم اور مالی طور پر بدحال ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہاورڈ یونیورسٹی کے مشہور سکالر پروفیسر سموئیل هنٹنگٹن The Clash of Civilizations جیسے معروفِ زمانہ مقالے لکھ کر اہل یورپ کو تہذیبِ اسلامی سے تصادم کی راہ دکھا رہے ہیں اور مغرب نے موجودہ عالمی غلبہ کے زعم میں اپنی ثقافت کے پرچار میں سب کچھ روا سمجھ رکھا ہے۔ [۴۷] حالانکہ یہ کلچر انسانیت کے لئے تباہی کا پیغام لا رہا ہے۔خود ان کے ہاں اعلیٰ اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا ہے۔خاندانی نظام بالکل نیست و نابود کردیا گیا ہے۔عزت و آبرو اور غیرت وحمیت نامی الفاظ ان کی ڈکشنریوں سے غائب ہونے کو ہیں۔ منافقت اور خود غرضی کو چالاکی اور دانش مندی سمجھا جاتا ہے۔ دورُخی زندگی اور دوغلا پن کو سیاست اور ڈپلومیسی کا نام دیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں اپنے استعماری غلبے کے دوام کی خاطر جگہ جگہ خاص طور پر خونِ مسلم کی ارزانی ان کے لئے تفریح طبع کا درجہ رکھتی ہے۔ جبکہ برصغیر کے نامور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق محمدی انقلاب کے ۲۳ سالہ دور میں کل ۹۱۸ افراد مسلم و غیر مسلم کام آئے تھے۔ [۴۸] وہاں تہذیبی غلبہ کے پیچھے یہ روح کارفرما تھی کہ

www.KitaboSunnat.com

پوری دنیا پر اسلام کا بول بالا ہوجائے: ﴿هُوَالَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (۴۹) ''وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے۔''

اور یہاں سرتاپا استعماری ذہنیت کارفرما ہے۔ وہاں پہلے 'غزوِفکری' پھر اعلیٰ تہذیبی روایات کے مظہر معاشرے کا قیام اور آخر میں اس کے علانیہ مخالفین سے مسلح ٹکراؤ (Armed Confilict) تھا۔ یہاں پر صرف سپر پاور کہلانے کا شوق ہے لیکن اس شوق کی تکمیل کے لئے اعلیٰ فکری تعلیمات اور بے مثال تمدنی روایات کی تہذیبی تائید موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں موجودہ مرعوبانہ ذہنیت سے چھٹکارا پانا ہوگا، جس میں یورپ سے آمدہ ہر روایت سونے کی طرح چمکدار نظر آتی ہے، حالانکہ ''ہر چمک دار چیز سونا نہیں ہوتی!''

اسی طرح وہاں سے آمدہ ہر روایت کو ردّ کرنے کا رویہ اپنانے کی بجائے آپؐ کی سنت کے مطابق ایمان وعمل کے لئے غیر مضر کو قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھنا چاہئے۔ آج ہمیں اپنے آپ کو توازن واعتدال کی راہ پر گامزن ہوکر اس ثقافتی یلغار کا بغور جائزہ لینا ہوگا اور ہر روایت کو خذ ما صفا ودع ما کدر کی چھلنی سے گذار کر جرأت مندانہ پالیسی اپنانا ہوگی۔ جیسا کہ آپ نے غیلة (حاملہ کا دودھ پلانا) کے بارے میں روم وفارس کے رویے کو قبول کرلیا۔ (۵۰) نکاح کے بارے میں عرب روایات میں سے شرف ِانسانی کے لائق روایات کو قبول کیا اور باعثِ عار کو ردّ کردیا۔ (۵۱) زنا کی لعنتی رسم اور اس سے پیدا شدہ بچے پر دعویٰ کی رسم جاہلیت کے خاتمے کا اعلان فرمایا: ذهب أمر الجاهلية.....الخ اور زانی کے لئے رجم کی سزا مقرر فرمائی۔ (۵۲)

آج بھی آپ جیسی مدبرانہ فراست کی ضرورت ہے۔ اپنی ثقافتی بنیادوں پر تعصب کی حد تک ایمان پختہ کرنا ہوگا۔ آج کھوکھلی مغربی ثقافت کی ظاہری چمک دمک کے سامنے ذہنی مرعوبیت کا شکار ہونے کی بجائے اس کی تباہ کاریوں کو طشت از بام کرنے کی ضرورت ہے۔ انسانیت کے لئے انتہائی مہلک رویوں کی علمبردار ہونے کی بنا پر اس مغربی ثقافت سے نفرت کی روش اختیار کرنی چاہئے۔ نیز اسلامی تہذیبی روایات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے احساسِ ندامت وشرمندگی کی بجائے اس نمائندگی کو باعثِ عزوشرف گردانا چاہئے کہ ہمیں انسانیت کے لئے اعلیٰ واکمل تہذیب کے امین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آج کی فکری درماندگی اور تہذیبی طور پر درندگی کا شکار انسانیت اعلیٰ علمی، فکری وثقافتی قدروں کی متلاشی ہے۔ سیاسی وثقافتی استعمار کی یہ خواہش ہے کہ ہر طرح سے اس کا ہی بول بالا ہو یا کم از کم دو متضاد فکری نظام یعنی حق و باطل پہلو بہ پہلو چلتے رہیں تاکہ اس باطل کے وجود اور بقا کی ضمانت (Lease of

www.KitaboSunnat.com

(Peaceful Co-existan) خود Existance) رہے۔لیکن حق و باطل کے مابین پرامن بقائے باہمی باطل ہے کیونکہ حق کے بعد سراسر گمراہی ہے﴿ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالِ﴾ (۵۳) اور یہ باطل اور ضلالت ختم ہونے والی ہے ﴿إِنَّ الْبَاطِلِ كَانَ زَهُوقًا﴾ (۵۴) لہٰذا نظریاتی ٹکراؤ اور تہذیبی تصادم کے سوا چارہ نہیں۔ غالب نظریہ اور اس بنیاد پر معرضِ وجود میں آنے والی تہذیب کا لامحالہ دوسرے نظریات اور تہذیبوں سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔اگر تصادم کے سوا کوئی راستہ ہوتا تو انبیاء ہرگز اس تصادم کی راہ پر نہ نکلتے۔

آج اگر دنیا بھر کے سیاسی وثقافتی میدانوں میں امریکی بالادستی (Pax-Americana) ہے تو کل تک برطانوی بالادستی (Pax-Britainica) تھی۔ وہ بھی نہ رہی، یہ بھی نہ رہے گی۔ بہت جلد یہ تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرکے اپنا وجود کھونے والی ہے۔ اس کی جگہ لینے کے لئے مسلم کلچر کو تیار رہنا چاہئے۔ہمیں یہ تبدیلی نہ صرف ممکن بلکہ یقینی جان کر بھرپور تیاری کرنی چاہئے۔تہذیبی ٹکراؤ اور اس کے بعد اسلامی ثقافتی یلغار کے لئے بڑی دانش مندی سے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ یہ تیاری کھوکھلے نعروں کی بجائے ٹھوس علمی فکری بنیادوں پر ہمہ جہتی ہونی چاہئے۔

نیز یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اسلامی تہذیب میں وحدت ہے، یکسانیت نہیں یعنی فکری اساس ایک ہے عملی مظاہر میں اَحوال وظروف کی مناسبت سے فرق کی گنجائش ہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

آج کل دنیا کو یک قطبی (Uni-Polar) بنانے کی باتیں ہورہی ہیں۔لیکن غالب اقوام کے پاس وہ ٹھوس علمی وفکری راہنمائی اور بہترین عملی نمونہ موجود نہیں ہے جو ہر جگہ قابل قبول بھی ہو۔ جبکہ ہم اسلامی تہذیب کی صدیوں پر محیط تاریخ شاہدِ عدل کے طور پر پیش کرسکتے ہیں جس میں اسلامی تہذیب نے چار دانگ عالم میں آدابِ ملاقات، طرزِ لباس، آدابِ خوردونوش، طرزِ تحریر، اندازِ تعمیر سے لے کر دستورِ حکمرانی تک ہر ایک میں نمایاں لیکن کامیاب تبدیلیاں کیں۔ اس تہذیبی غلبے نے اپنے سائے میں صدیوں انسانیت کو پرامن، پرسکون اور باوقار زندگی گزارنے کے لئے سنہری ایام مہیا کئے۔تاریخ اپنے آپ کو دہرانے والی ہے۔ یہ سنہری دن پھر سے لوٹنے والے ہیں۔اے کاش! امتِ مسلمہ بروقت ہوشیار ہوجائے۔

آج مکالمے (Dialogue) کا دور ہے۔مغربی اقوام سے برابری کی سطح (Equal Footing) پر بات کرنے والے مسلم سکالرز کو ثقافتی جنگ میں اپنے رول سے آغاز کرنا چاہئے۔ مغربی ثقافت کے علمبرداروں کے سامنے اس کے عیوب ونقائص اور لائی ہوئی انسانی تباہی کی حقیقی تصویر پیش کرنی چاہئے جو کہ استعماری الیکٹرانک میڈیا نے چھپا اور دبا رکھی ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی تہذیب کی طویل تاریخی شہادت، ٹھوس علمی فکری راہنمائی اور عملی انطباقات کو کھل کر پیش کرنا چاہئے۔ ڈائیلاگ کے علاوہ زندگی

www.KitaboSunnat.com

کے ہر میدان میں تہذیبی لوازمات کے حوالے سے ضروری تیاری بھی جاری رہنی چاہئے تاکہ آمدہ تہذیبی تصادم میں کسی موڑ پر پسپائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ☆

---

(۱) القرآن (۸:الانفال:۳۲) (۲) محمد بن حبیب، کتاب المحبر (لاہور) ص ۲۳۶، ۲۴۱، ۳۰۹

(۳) عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون، تاریخ ابن خلدون

(۴) القرآن (۲۲:الحج:۷۳) (۵) القرآن (۱۱۱:الاخلاص:۰۳)

(۶) محمد بن عبدالوہاب، مسائل الجاهلية التي خالف فيها رسول ﷺ أهل الجاهلية، (القاهرة: ۱۳۹۷ھ)

(۷) الکتب الستۃ (صحیح مسلم)، (دارالسلام، الریاض، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) ص ۷۲۸ (حدیث نمبر ۹۴ (۳۰۲)

(۸) الکتب الستۃ (سنن ابی داد) ص ۱۵۱۸ (حدیث نمبر ۴۰۳۱)

(۹) مراسیل ابی داود، (لاہور.....) تحقیق وتعلیق، محمد عبدہ، ص: ۱۸۳

(۱۰) شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ للقسطلانی، (بیروت، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) ج ۴ ص ۲۳۴

(۱۱) الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۷۲۸ (حدیث نمبر ۶۹۴ (۳۹۲)

(۱۲) علامہ ناصر الدین الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، (بیروت، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) ج: ۱، ص: ۴۱۹

(۱۳) البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج ۱، ص ۴۱۸، (حدیث نمبر ۲۳۶)

(۱۴) الکتب الستۃ (صحیح مسلم)، ص ۷۱۸، (حدیث نمبر ۵۳۴ (۲۲۳)

(۱۵) علی عزت بیگووچ، اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش، (لاہور، ۱۹۹۴ء، مترجم: ایوب منیر) ص ۲۷۷، مع حاشیہ

(۱۶) البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج ۱ ص ۷۵۲، (حدیث نمبر ۴۶۳)

(۱۷) البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج ۳ ص ۲۴۹ (حدیث نمبر ۱۲۴۵)

(۱۸) الکتب الستۃ (سنن ابن ماجہ)، ص ۲۶۹۵ (حدیث ۲۶۳۷)، مسند احمد (دارالمعارف بمصر، ۱۹۵۰ء) حدیث ۴۴۷۳

(۱۹) الکتب الستۃ (صحیح بخاری)، ص ۲۸۲ (حدیث نمبر ۳۴۶۲)

(۲۰) الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۱۰۵۰، (حدیث ۵۴۳۶ (۲۰۷۷)، ۵۴۳۴، (۲۰۷۷)/ الکتب الستۃ (سنن النسائی) ص ۲۴۲۷، (حدیث نمبر ۵۳۱۸)، ابوعبداللہ الحاکم النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین (بیروت.....) ج ۴ ص ۱۹۰

(۲۱) اخرجہ الطبرانی فی الاوسط بسند لا باس بہ کذا فی الفتح، ج ۱۰، ص ۲۲۳ بحوالہ حجاب المرأۃ المسلمۃ للالبانی، ص ۹۳

(۲۲) البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج ۴ ص ۳۸۹

(۲۳) صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، (لاہور، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء) ص ۳۸۷

(۲۴) الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۱۰۶۴ (حدیث ۵۶۶۱ (۲۱۶۷)/ (جامع ترمذی) ص ۱۹۲۴ (حدیث ۲۷۰۰)

(۲۵) البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج ۱، ص ۲۵۰

(۲۶) الکتب الستۃ (سنن ابی داود) ص ۱۶۰۵ (حدیث نمبر ۵۲۳۰)

(۲۷) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الادب المفرد (المکتبۃ الاثریہ، سانگلہ ہل.....؟) ص ۷۸ (حدیث نمبر ۲۷۳)
البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج ۱، ص ۷۵ (حدیث نمبر ۴۵)

www.KitaboSunnat.com

(۲۸) الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۱۰۵۱، (حدیث نمبر ۵۴۵۳ (۲۰۸۵)

(۲۹) القرآن (۱۷: الاسراء: ۳۷) (۳۰) احمد عبدالرحمٰن البناء، الفتح الربانی، (القاہرۃ) ج ۱۷، ص ۸۸

(۳۱) احمد عبدالرحمٰن البناء، الفتح الربانی، ج ۱۷، ص ۹۰، ۹۲

(۳۲) سید احمد حسن، احسن التفاسیر (لاہور، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴) ج ۱، ص ۱۶۳

(۳۳) الکتب الستۃ (صحیح البخاری)، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاہلیۃ، ص ۳۱۱

(۳۴) الکتب الستۃ (سنن ابی داؤد) ص ۱۲۵۹، ۱۲۶۰ (حدیث نمبر ۴۹۸)

(۳۵) القرآن (۲: البقرۃ: ۱۴۴)

(۳۶) الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۸۰۸ (حدیث ۱۹۳۰ (۸۳۲) مسند ابی عوانہ، (بیروت ۱۹۹۸ء) ج ۱، ص ۳۸۶، ۳۸۷

(۳۷) مسند احمد، حدیث نمبر ۵۹۳۶ (۳۸) الکتب الستۃ (سنن ابی داود)، ص ۱۲۷۱ (حدیث نمبر ۶۵۲)

(۳۹) الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۸۵۳ (حدیث نمبر ۲۵۵۰ (۱۰۹۶)

(۴۰) الکتب الستۃ (سنن ابی داود) ص ۱۳۹۸ (حدیث ۲۳۵۳)/ (سنن ابن ماجہ) ص ۲۵۷۸ (حدیث ۱۶۹۸)

(۴۱) ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ، صحیح ابن خزیمہ، (بیروت ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) ج ۳، ص ۳۱۸ (حدیث نمبر ۲۱۶۷)

(۴۲) السنن الکبریٰ للبیہقی، (ملتان .....) ج ۴، ص ۲۸۷

(۴۳) الکتب الستۃ (صحیح البخاری) ص ۳۱۱، (حدیث ۳۸۳۸) الکتب الستۃ (سنن النسائی) ص ۲۲۸۳، (حدیث ۳۰۵۰) سنن الدارمی، (ملتان) ج ۱ ص ۳۸۷، مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۲۳، السنن الکبریٰ للبیہقی بحوالہ حجاب المرأۃ للالبانی ص ۹۱

(۴۴) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، (بیروت ۱۹۶۶ء) ج ۷، ص ۶۰

(۴۵) الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۸۱۳، (حدیث نمبر ۲۰۰۵ (۸۶۷)

(۴۶) ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث (بیروت، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء، تحقیق وتعلیق محمد عبدالرحیم،) ص ۲۶۵

(۴۷) Samuel P.Huntington, The clash of Civilization,
p 126, Lahore, (Contemporary Affairs, Editor: M.Imtiaz Shahid.)

(۴۸) قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین (لاہور ۱۹۶۸ء) ج ۲، ص ۲۱۹

(۴۹) القرآن (۶۱: الصّف: ۹)

(۵۰) الامیر علاؤ الدین علی بن بلبان الفارسی، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، (المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل .....) ج ۷، ص ۱۹۹، (عن جذامة بنت وهب الأسدية أنها سمعت رسول الله ﷺ يقول: لقد هممت أن أنهى عن الغيله حتى ذكرت أن الروم و فارس يصنعون ذلك فلا يضر أولادهم

(۵۱) الکتب الستۃ (صحیح بخاری) ص ۴۴۳، ۴۴۴ (حدیث نمبر ۵۱۲۷)، الکتب الستۃ (سنن ابی داود) ص ۱۳۹۱، (حدیث نمبر ۲۲۷۲) عن عائشةؓ: أن النكاح فى الجاهلية كان على أربع أنحاء..... فلما بعث محمد ﷺ بالحق هدم نكاح الجاهلية كله إلا نكاح الناس اليوم

(۵۲) الکتب الستۃ (سنن ابی داود) ص ۱۳۹۱ (حدیث نمبر ۲۲۷۴)

(۵۳) القرآن (۱۰: یونس: ۳۲) (۵۴) القرآن (۱۷: الاسراء: ۸۱)

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور خواتین

ترجمہ: وسیم عثمان مدنی
ترمیم واضافہ: اعجاز حسن

# میں پردہ کیوں کروں.....؟

پردہ نہ کرنے کی ایک سے ایک گیارہ وجوہات

خواتین کو اسلام نے پردہ کا پابند اس لئے کیا ہے کہ ان کی عزت وعفت پر کوئی حرف نہ آئے۔ جس طرح ملک کی اعلیٰ شخصیات کو بلٹ پروف گاڑی اور حفاظتی دستہ دے کر ان کو قید کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ان کی حفاظت مطلوب ہوتی ہے، اسی طرح ان گراں قدر موتیوں (خواتین) کو پردہ کے حفاظتی قلعہ میں قید نہیں کیا گیا بلکہ ان کی حفاظت کا سامان کیا گیا ہے۔

ان دنوں بعض آزاد خیال عورتیں پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر اسلامی اقدار کو پامال کررہی ہیں۔ اور پردہ کے خلاف درج ذیل تاویلیں، اعتراضات اور مجبوریاں پیش کرتی ہیں۔ آپ پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا یہ واقعی معقول ہیں.....!!

## (۱) میں ابھی تک پردہ کی قائل نہیں ہوں

ایسی خاتون بتائے، کیا وہ بنیادی طور پر اسلام کی حقانیت کی قائل ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب 'ہاں' میں ہے کیونکہ اس نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اللہ کی معبودیت اور رسولِ کریم ﷺ کی رسالت اور شریعت اسلامیہ کا اقرار کیا ہے۔

ہمارا دوسرا سوال محترمہ سے یہ ہے کہ جب آپ اللہ اور رسول ﷺ کو مانتی ہیں تو اللہ نے اپنے قرآن میں اور رسولِ کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں پردہ کرنے کا حکم دیا ہے تو کیا آپ اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ماننے کی قائل ہیں؟ یقیناً اس کا جواب 'ہاں' میں ہوگا تو پھر سچے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم آجائے تو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ''ہم نے سنا اور مان لیا'' کہا جائے اور حکم پر عمل کیا جائے، وگرنہ زبانی اِقرار کسی کام کا نہیں۔

اللہ عزوجل نے سورۃ الاحزاب کی آیات ۵۹، ۵۳، ۳۳، ۳۲ اور سورۃ النور کی آیات ۳۱، ۳۳ میں پردہ کا حکم دیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس کی تاکید کی ہے۔ مثلاً حدیثِ نبوی ﷺ ہے: ''عورت سرتا پیر ستر (چھپانے کی شے) ہے'' (ترمذی)۔ اگر یہ بہن واقعی اسلام کی قائل ہے اور نبی کریمؐ کی اطاعت کا دم بھرتی ہے تو اسے اس سلسلے میں بھی اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد کرنا چاہئے۔

www.KitaboSunnat.com

## (۲) میں تو چاہتی ہوں مگر میرے گھر والے منع کرتے ہیں

''اللہ کی تابعداری کے خلاف کسی مخلوق کی تابعداری نہ کرو'' (بخاری ومسلم)

اپنے گھر والوں، بزرگوں اور اساتذہ حتیٰ کہ والدین کا حکم آپ صرف اس صورت میں ماننے کی پابند ہیں جب تک وہ اسلامی احکام کے خلاف نہ ہو۔قرآن کی آیات اور احادیثِ نبویؐ کی رو سے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حکم کے مقابلہ میں کسی اور کا حکم ماننا گناہ ہے۔

## (۳) میرے پاس برقعہ وغیرہ خریدنے کے لئے پیسے نہیں ہیں

ہماری یہ بہن یا تو واقعی سچی ہے یا پھر حیلہ باز ہے اور اس کی مراد فیشن ایبل مہنگا برقعہ یا چادر وغیرہ ہے۔اگر یہ واقعی سچی اور مخلص ہے تو اسے کم از کم یہ تو معلوم ہوگا کہ مکمل شرعی لباس کے بغیر باہر نکلنا منع ہے۔انتہائی مجبوری میں برقعہ نہ سہی اپنے دوپٹہ/چادر (جو بھی میسر ہو) سے مکمل گھونگٹ نکال کر باہر نکلے۔نیز اہل خیر کو چاہئے کہ جہاں وہ دیگر نیکیاں کرتے ہیں وہاں مسلم خواتین میں برقعہ/شرعی حجاب/نقاب وغیرہ بھی تقسیم کریں تاکہ جو نہیں جانتے وہ بھی اس کی اہمیت وفرضیت کو جان لیں۔

جہاں تک ہماری بہن کا تعلق ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کی شخصیت کا وقار زرق برق لباس اور مہنگے برقعہ/فیشن ایبل حجاب یا قیمتی نقاب سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی تابعداری میں ہے۔اصل عزت دار وہ ہے جو اللہ کے یہاں باعزت ہو۔فرمانِ الٰہی ہے:

''تم میں زیادہ صاحبِ عزت اللہ کے ہاں وہ ہے جو زیادہ صاحبِ تقویٰ ہے'' (الحجرات:۱۳)

## (۴) ہمارے یہاں گرمی زیادہ ہے

ہماری اس بہن کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد رکھنا چاہئے: ''کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے، کاش وہ سمجھ لیتے'' (التوبہ:۸۱) صرف ٹھنڈے ٹھنڈے، آسان اور مرضی کے احکام ماننے سے جنت کا حصول ممکن نہیں۔ایک حدیث کا مفہوم ہے:

:''جنت کو مشکل کاموں میں چھپا دیا گیا ہے اور جہنم کو عیش وعشرت کے کاموں میں۔'' (ابوداود)

## (۵) مجھے ڈر ہے کہ ایک بار پردہ کرنے کے بعد میں کہیں پردہ کرنا چھوڑ نہ دوں!

دیکھئے ہماری اس بہن کو شیطان نے کیسے اپنے جال میں پھنسایا ہے۔اگر سوچ کا یہی انداز ہے تو کوئی کبھی نماز نہ پڑھے بلکہ کوئی بھی نیکی کا کام نہ کرے، یقیناً نیکی پر ثابت قدمی کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اور اس کے لئے وہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جن سے ثابت قدمی نصیب ہو، مثلاً: نماز کی پابندی اور مشکلات پر صبر کے ساتھ اللہ سے مدد مانگی جائے (دیکھئے النساء:۶۶) نیز یہ دعا کثرت

www.KitaboSunnat.com

سے کریں: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾.....(القرآن)

''اے ربّ! اب جبکہ تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے تو پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا.....''

نیکی میں اخلاص اور عزم پختہ ہو تو اللہ تعالیٰ ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔

## (٦) مجھ سے کہا گیا ہے کہ پردہ کرو گی تو کوئی شادی نہ کرے گا

کوئی ہماری اس بہن کو یہ سمجھا دے کہ جو شخص خود اللہ کے احکامات کا پابند نہ ہو، وہ کبھی اچھا شوہر ثابت نہ ہوگا، نہ وہ خود تانکا جھانکی سے پرہیز کرے گا اور نہ تمہیں دوسروں کی نگاہوں کا کھلونا بننے سے روکے گا۔ نیز جس گھر کی بنیاد گناہ پر ہو، وہ گھر دنیا و آخرت کی بربادی سے بچ نہ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل تو ملتی ہے لیکن آخر کار ایسے گھرانوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ اخبارات بے پردہ گھرانوں کے المناک قصوں سے بھرے ہوتے ہیں اور نگاہِ عبرت چاہتے ہیں۔

یہ بھی ایک شیطانی خیال ہے وگرنہ کتنی باپردہ لڑکیاں ہیں جن کی شادی ہوگئی ہے اور کتنی بے پردہ ہیں جو شادی کیلئے پریشان ہیں کیونکہ شادی تو ایک نعمت ہے اور اللہ جسے چاہے اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے۔

## (٧) اللہ تعالیٰ نے مجھے حسن کی نعمت سے نوازا ہے، میں کیوں چھپاؤں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نعمت کے اظہار کی اجازت دی ہے، اگر بطورِ شکر ہو نہ کہ بطورِ فخر وغرور فرمایا: ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحیٰ: ١١) یعنی ''اپنے ربّ کی نعمتوں کا ذکر کرو''

سبحان اللہ! ہماری یہ بہن قرآن کو حجت بنا رہی ہے اور خود قرآن میں پردہ کی پابندی کا حکم دینے والی آیات (النور:٣١ اور الاحزاب:٥٣، ٥٩ وغیرہ) کو پس پشت ڈال رہی ہے اور اگر واقعی اظہارِ نعمت مقصود ہے تو ایمان و ہدایت سے بڑھ کر نعمت کیا ہوگی اور اس نعمت کے اظہار کا تقاضا یہی ہے کہ

اولاً، قرآن وسنت کے ہر حکم پر بلا چوں چرا عمل کیا جائے اور پردہ کو اختیار کیا جائے۔

ثانیاً، جس اللہ نے حسن دیا اسی کے حکم کے مطابق صرف شوہر کے سامنے اس حسن کا اظہار ہوگا، باقی سے پردہ اختیار کیا جائے گا، اور یہی حیا ہے جو ایمان کا زیور ہے اور ایمان سب سے بڑی نعمت ہے۔

## (٨) میں جانتی ہوں کہ پردہ فرض ہے، جب مجھے توفیق ہوئی میں پردہ کرلوں گی!

یہ بھی ایک عجیب شیطانی وسوسہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھ دے دی کہ پردہ فرض ہے تو اب کس توفیق کا انتظار ہے؟ جب بھی ارادہ کرکے عمل شروع کر دیا جائے تو توفیق ہوگئی اور اگر حیلے تراشے جائیں تو پھر ساری زندگی توفیق ہو ہی نہیں سکتی۔

## (٩) جلدی کیسی! ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟ جب حج کرلونگی تو پردہ کرنے لگوں گی!

www.KitaboSunnat.com

اے بہن، موت چھوٹے اور بڑے کو نہیں دیکھتی۔ اللہ سے ڈریے، کہیں آپ کو یہ حیلہ بہانہ کرتے ہوئے بے پردگی یعنی اللہ کی نافرمانی کی حالت میں موت نہ آجائے۔ یاد رہے کہ موت کا فرشتہ آپ کی مرضی کا نہیں بلکہ اللہ کی مرضی کا پابند ہے۔ علاوہ ازیں پردہ پہلے فرض ہے اور حج بعد میں کیوں کہ حج تو استطاعت اور محرم کے ساتھ مشروط ہے۔

## (۱۰) ڈرتی ہوں کہ پردہ کرنے سے کسی مخصوص گروہ کی طرف منسوب کردیا جائیگا

اسلام کی نظر میں صرف دو گروہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے ایک 'حزب اللہ' یعنی اللہ کا گروہ؛ وہ اہل ایمان جو اللہ اور رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور دوسرا 'حزبِ شیطان' یعنی شیطانِ مردود کا گروہ، وہ لوگ جو حیلے بہانوں سے احکامِ اسلام کا عملاً انکار کرتے ہیں۔ یہ تو خوش نصیبی ہے کہ آپ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی جو کہ ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔ جبکہ جن کی نسبت شیطان کی طرف ہے اور اسی حالت میں وہ مرجائیں تو ان کے جہنمی ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کردیا ہے۔ (دیکھئے سورۂ ص: ۸۵)

## (۱۱) پردہ تو اصل میں دل کا ہے!

اول: نبی اکرم ﷺ کی بیویاں اور صحابیاتؓ تو ظاہری پردہ (شرعی پردہ) بھی کیا کرتی تھیں۔ کیا آپ پر کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟ قرآن وسنت میں دل کے پردے کی کوئی دلیل نہیں۔

دوم: پھر کل یہ بھی کہا جائے گا کہ نماز، روزہ، حج، نکاح بلکہ لباس کا پہننا بھی دل کا کام ہے، تو یوں سارا دین مذاق اور کھیل بن جائے گا۔

سوم: حدیثِ نبوی ﷺ ہے: ''بدن میں ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح ہو تو تمام جسم صحیح ہوجاتا ہے اور وہ خراب ہو تو تمام جسم خراب ہوجاتا ہے، خبردار! وہ دل ہے۔'' (بخاری ومسلم) یعنی دل میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا اثر جسم پر مرتب ہوتا ہے۔ اگر آپ کے دل میں پردہ ہے تو پھر اس کو باہر بھی نظر آنا چاہئے۔ ورنہ آپ اپنے دعویٰ میں سچی نہیں۔

چہارم: حکومت کوئی قانون جاری کرتی ہے۔ آپ اس کی مخالفت کریں اور کہیں کہ قانون کا احترام تو دل میں ہے تو کیا آپ کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے گا؟ مثلاً آپ ٹریفک کے اشاروں کی پابندی نہ کریں اور ٹریفک کانسٹیبل کے روکنے پر کہیں کہ قانون کا احترام تو دل میں ہے۔ تو کیا وہ آپ کا چالان نہیں کرے گا؟ یقیناً آپ کا چالان بھی کیا جائے گا اور جرمانہ بھی کیا جائے گا۔ کیونکہ قوانین کی پابندی صرف دلوں میں نہیں بلکہ ظاہر میں بھی کرنا لازمی ہوا کرتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

## پردہ کی حکمت

فطری طور پر مردوں میں عورتوں کے لئے رغبت رکھی گئی ہے، جب وہ بے پردہ عورت کا عریاں جسم دیکھتا ہے تو شہوت و رغبت کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف لپکتا ہے۔ آج کل کے اخبارات اس بات پر گواہ ہیں کہ کس طرح مرد، بے پردہ سالی، بھابی، ہمسائی، اجنبی عورت کے ساتھ برے کام میں ملوث ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل کراچی ایئر پورٹ پر سندھ کی اعلیٰ شخصیت نے اپنی ناجائز خواہش کی تکمیل کے لئے ایک ایئر ہوسٹس کو سمگلنگ کے جھوٹے الزام میں گرفتار کروایا تاکہ ایئر ہوسٹس کو اس تک پہنچایا جاسکے۔
(ہفت روزہ 'تکبیر' شمارہ ۵۲: مجریہ ۲۶/دسمبر ۱۹۹۱ء)

# پردہ کے احکامات

## پردہ سے رخصت

محرم سے پردہ نہیں ہوگا۔ محرم میں ایسے تمام رشتہ دار شامل ہیں جن سے کسی عورت کا نکاح دائمی یا عارضی طور پر حرام ہو مثلاً باپ (سسر، دادا، نانا، پڑدادا، پڑنانا وغیرہ) حقیقی بیٹے (داماد، پوتے، پڑپوتے، نواسے، پڑنواسے وغیرہ) سوتیلے بیٹے اور ان کی اولاد، بھائی (حقیقی و سوتیلے اور ان کی اولاد)، بھتیجے، بھانجے، حقیقی چچا، حقیقی ماموں.....

- ☆ رضاعی رشتہ داروں سے (جو رشتے نسب سے حرام ہیں، وہی رضاعت یعنی دودھ پلانے کے لحاظ سے بھی حرام ہیں)
- ☆ بچوں سے، جب تک ان کے شہوانی جذبات بیدار نہ ہوئے ہوں۔
- ☆ نوکر چاکر سے جب تک وہ ہم بستری کی خواہش نہ رکھتے ہوں مثلاً بچے یا بوڑھے۔ ان سب سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں۔
- ☆ اضطراری حالت (طبی معائنہ، جنگ، حادثہ مثلاً زلزلہ، آگ وغیرہ) میں پردہ کرنے کی چھوٹ ہوسکتی ہے۔
- ☆ بوڑھی عورتیں جو زیب و زینت سے دور رہیں اور ان کو کسی مرد سے خطرہ نہ ہو تو ان کے لئے پردہ نہ کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن اگر پردہ کریں تو بہتر ہے۔

نوٹ: مندرجہ بالا جن لوگوں سے پردہ کی رخصت ہے، ان کے سامنے بھی ستر کو ڈھانپنا ہوگا (سوائے شوہر کے) یعنی ان کے سامنے صرف چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی اجازت ہوگی۔ گھر کے کام کاج مثلاً آٹا گوندھتے ہوئے کف اوپر کرنے یا فرش دھوتے ہوئے پائینچے اوپر چڑھا لینے کی گنجائش ہے۔

www.KitaboSunnat.com

☆ مسلمان عورت، دوسری عورت سے بھی ستر چھپائے گی جیسا مرد مسلمان مرد سے چھپائے گا۔

## پردہ کی پابندی

تمام نامحرم رشتہ دار (دیور، جیٹھ، بہنوئی، چچازاد بھائی، خالہ زاد بھائی، ماموں زاد بھائی، شوہر کا بھتیجا یا بھانجا وغیرہ) سے، غیر رشتہ دار (شوہر کا دوست، سہیلی کا شوہر وغیرہ) سے، ہیجڑوں سے، اور غلط قسم کی آوارہ اور مشتبہ مسلم اور غیر مسلم خواتین سے پردہ کرنا ہوگا۔

## شرعی پردہ/حجاب کیا ہے؟

پردہ (حجاب) میں تمام جسم ہاتھ اور چہرہ سمیت چھپانا ضروری ہے اور یہ اس طرح ہو کہ جسم کے اعضا نظر نہ آئیں۔ چادر یا برقعہ چست نہ ہو اور لوگوں کو مائل کرنے والا نہ ہو۔ خوشبو لگا کر نہ نکلا جائے۔ لوچ دار، شیریں، یعنی مردوں کو راغب کرنیوالی آواز، پاؤں کی جھنکار اور دلکش اداؤں سے پرہیز کیا جائے مرد اور عورتیں دونوں نگاہیں نیچی رکھیں۔ حدیثِ نبویؐ ہے: ''نظر بازی آنکھوں کا زنا ہے'' (بخاری)

## اسلام کے قانونِ حجاب کی برکات

'نومسلم خواتین کے مشاہدات' کے نام سے چھپنے والی کتاب میں محترمہ خولہ نکاتا (جاپان) لکھتی ہیں:

''منی سکرٹ کا مطلب ہوتا ہے کہ اگر آپ کو میری ضرورت ہے تو مجھے لے جاسکتے ہیں۔ جبکہ حجاب صاف طور پر یہ بتاتا ہے کہ 'میں آپ کے لئے ممنوع ہوں'۔

اپنا مذہب تبدیل کرنے سے پہلے بھی کسی عورت کے جسم کو دیکھنا جو اس کی جلد سے چپکے ہوئے باریک لباس سے جھلکتا تھا، مجھے پریشان کردیتا تھا، مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں نے کوئی ایسی شے دیکھ لی جس کو مجھے دیکھنا نہیں چاہئے تھا۔ اگر یہ بات ایک عورت کو پریشان کرسکتی ہے تو مردوں کو کتنا متاثر کرتی ہوگی۔''

محترمہ لیلی لیسالوت وتمان (امریکہ) کہتی ہیں:

''جب میں حجاب استعمال کرنے لگی تو مجھے امن وامان کا سایہ مل گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ پردہ کے باعث تمام لوگ میرا احترام کرنے لگے ہیں۔ اب مجھے کوئی تنگ نہیں کرتا تھا، نہ سڑک پر، نہ بس وغیرہ پر۔''

محترمہ ہدیٰ خطاب (برطانیہ) کا کہنا ہے:

''جو چیز مجھے اسلام کی طرف کھینچ لائی وہ پردہ تھا۔ مسلمان خواتین کا یہ سکارف اور لباس غیر مردوں کی نظریں عورت کی طرف سے ہٹا دیتا ہے۔''

نیکی کی تم تصویر ہو، عفت کی تم تدبیر ہو! ہو دیں کی تم پاسباں، ایمان سلامت تم سے ہے!

www.KitaboSunnat.com

تعلیم وتعلّم

محمد آصف احسان

# مسلم نوجوانوں کے لیے جدید علوم کی ضرورت واہمیت

اسلام دین فطرت ہے جو اپنے واضح احکام وفرامین کی کشش کے باعث قلبِ انسانی میں گھر کرتا ہے، فطرتِ بشری کی تجزیہ کاری اس کے متنوع علوم ومعارف کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی افادیت کی مظہر ہے۔ درحقیقت اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو انسان کو کائنات کے سربستہ اَسرار معلوم کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ اس کے ماننے والے محض نام کے مسلمان نہ کہلائیں بلکہ وہ اپنے قلب وذہن کی پوری آمادگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور اسلام کے جملہ احکام پر ایمان لانے والے ہوں۔ اس کا بنیادی مقصد حقیقی اور باعمل مسلمان کے نمونے کی تیاری ہے جو کفار کے لئے اسلام کی دعوت کا ذریعہ ثابت ہو۔

علم کی اہمیت سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں۔ زمانۂ قدیم سے دورِ حاضر تک کا ہر متمدن ومہذب معاشرہ علم کی اہمیت سے واقف ہے۔ فطرتِ بشری سے مطابقت کی بنا پر اسلام نے بھی علم حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس کے ابتدائی آثار ہمیں صدرِ اسلام یعنی رسول ﷺ کے عہدِ مبارک میں ملتے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ بدر (رمضان ۲ھ) کے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ کی رقم مقرر کی گئی تھی۔ ان میں سے جو نادار تھے، وہ بلا معاوضہ ہی چھوڑ دیئے گئے لیکن جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، انہیں حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ چنانچہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو کاتب وحی تھے، اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ (سیرت النبی از شبلی نعمانی: ۱/۱۹۶)

یہ معمولی واقعہ ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں تحصیل علم کس قدر ضروری تھا۔ اسلام بجا طور پر جملہ مباح علوم کی اور بالخصوص سائنس کی افادیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے اس کی ترویج کو مقتضائے شریعت کی تکمیل تصور کرتا ہے۔ جو مذاہب انسان کو دنیا سے فرار کا درس دیتے ہیں، اسلام ان کے برعکس سائنس اور دیگر جائز علوم کو نظامِ قدرت میں مداخلت قرار نہیں دیتا بلکہ ایک سچے اور کھرے مسلمان کے ساتھ ساتھ دنیا میں مروّجہ علوم کا ماہر بھی اسے درکار ہے جو اسلام کے پیغامِ حق کو جدید ذرائع کی وساطت سے غیر مسلمانوں تک پہنچا سکے۔

اسلام کی اس حقیقت پسندانہ سوچ کے باوجود عصر حاضر کا یہ عظیم المیہ ہے کہ مسلمانوں کا جس قدر علمی عروج اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر کئی صدیوں تک قائم رہا، اسی قدر وہ آج انحطاط وتنزل کا

www.KitaboSunnat.com

شکار ہیں۔صرف علم میں فقدان کے باعث ہم کئی اور شعبوں میں بھی مغرب کے غلام بن چکے ہیں۔ معیشت، معاشرت، ثقافت وسیاست اور دیگر کئی معاملات میں ہم اَغیار کے محتاج ہیں۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے جس کا بدقسمتی سے ہمیں سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔مسلمان جس کی تخلیق دنیا کی راہنمائی کے لئے کی گئی تھی آج خودنشانِ منزل کھو چکا ہے اور سرابِ سفر کو مقصودِ حقیقی سمجھ کر اس پر قانع وشاکر ہے۔اسی لئے ذلت ومسکنت کے گہرے بادل شش جہت سے ہمیں اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے شاندار ماضی اور عبرتناک حال کو دیکھ کر مستقبل کو درخشان کرنے کی بہتر منصوبہ بندی کریں۔

## جدید سائنسی ارتقا میں مسلمانوں کا حصہ

اس دور میں جب پورا یورپ جہالت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا، مدارسِ اسلامیہ بالخصوص غرناطہ، طلیطلہ اور بغداد میں علم کی قندیلیں روشن تھیں۔ یورپ کے بیشتر جویانِ علم مسلمان اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرکے اپنی علمی تشنگی دور کرتے تھے۔اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ کی موجودہ تہذیب وترقی مسلمانوں کے سائنسی ارتقا کی رہین منت ہے۔اسلامی علوم وفنون نے کچھ تو ہنگری اور بلقانی ریاستوں کے ذریعے اور زیادہ تر اندلس وصقلیہ (سپین اور سسلی) کے رستے یورپ میں نفوذ کیا۔ خلافتِ اندلس میں پوری علمی آزادی تھی۔طلیطلہ اور قرطبہ کے مضافات میں بے شمار خانقاہیں تھیں جو مسافروں کے لئے اقامت گاہوں کا کام دیتی تھیں۔ یورپ کے تمام ممالک سے طالبانِ علم عربوں کے علمی مراکز کا رخ کرتے تھے اور وہاں آکر مسلمانوں کی علمی فیاضی سے مستفید ہوتے تھے۔

صقلیہ میں فریڈرک دوم اور اس کے جانشینوں نے مختلف علوم وفنون (فلسفہ، سائنس اور طب) کی کتابیں لاطینی میں بکثرت ترجمہ کروائیں۔ یورپ میں اندلس کے اسلامی علوم وفنون کی اشاعت بھی فریڈرک کے واسطے سے اٹلی (اطالیہ) اور سسلی (صقلیہ) کی راہ سے ہوئی اور فلسفہ وطب کے علاوہ دیگر علوم کی کتب بھی لاطینی زبان میں ترجمہ کی گئیں۔ان کتابوں کے بیشتر مترجم یہودی علما تھے۔جنہوں نے یورپ کے ثقافتی ارتقا میں بھرپور حصہ لیا اور اسلامی ثقافت کو یورپ کے دوردراز اور نیم مہذب علاقوں تک پہنچایا۔عربی کتابوں کے عبرانی اور لاطینی تراجم یورپ کے لئے سرچشمہ رحمت ثابت ہوئے۔فرانسیسی اور جرمن راہبوں نے علوم کی درسی کتب یہودی فضلا سے پڑھیں۔ ولیم آف نارمنڈی کے ساتھ بے شمار یہودی فضلا انگلستان آئے، جہاں آکسفورڈ میں ان کے ہاتھوں پہلا مدرسہ قائم ہوا۔اسی سکول میں راجر بیکن (Roger Bacon) نے عربی زبان اور دیگر علومِ حکمیہ حاصل کئے۔کہا جاتا ہے کہ مغرب میں تجربی علوم کا سہرا راجر بیکن کے سر ہے۔مسیحی یورپ نے مسلمانوں کے علوم راجر بیکن سے سیکھے جس نے خود آکسفورڈ کے علاوہ پیرس میں قیام کرکے مسلمانوں کے علوم سیکھے تھے۔ وہ برملا یہ اعتراف کرتا تھا کہ

www.KitaboSunnat.com

''اس کے معاصرین کے لئے 'علم صحیح' کا واحد ذریعہ صرف عربی زبان اور اس کے علوم ہیں''۔ اسے اعتراف تھا کہ اس نے ارسطو کا فلسفہ ابن رشد کی تصانیف کے تراجم سے سمجھا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، مقالہ علم: جلد ۱۳/ ۱، ۱۴)

## جدید علوم اور عیسائیت کا طرزِ عمل

اسلام کی معارف پروری کے برعکس عیسائیت کا علوم کے ساتھ طرزِ عمل ملاحظہ کیجئے۔ عیسائی راہبوں نے علم کو مذہب سے متصادم قرار دیا ہے۔ اس کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ جس شخص کو انہوں نے تحصیل علم اور اس کی تدریس وتعلیم میں منہمک دیکھا، اسے یا تو ختم کردیا، یا مستوجب سزا وتعزیر قرار دے دیا۔ مذکورہ سائنسدان راجر بیکن کو جادوگر اور شیطانی علم کا پرچارک قرار دیا گیا اور کلیسا کی جانب سے سنائی گئی سزا کے مطابق اسے ۲۴ سال جیل میں گزارنے پڑے۔ گلیلیو گلیلی (۱۵/ نومبر ۱۵۶۴ء تا ۸/ جنوری ۱۶۴۲ء) اور کوپرنیکس Copernicus (۱۴۷۳ء تا ۱۵۴۳ء) کو بھی اپنے افکار ونظریات کے عیسائیت سے متصادم ہونے کے باعث بے پناہ مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑا۔

## اسکندریہ یونیورسٹی

سکندرِ اعظم نے ۳۳۴ قبل مسیح میں مصر پر قبضہ کیا اور ۳۳۳ قبل مسیح میں اسکندریہ کی بنیاد رکھی جو یورپ اور ایشیا کی تجارت کا مرکز ہونے کے باعث رفتہ رفتہ تہذیب وثقافت اور فکر ودانش کا مرکز بن گیا۔ اس میں موجود یونیورسٹی قریباً چھ سو سال تک تشنگانِ علم کو سیراب کرتی رہی۔ اس میں موجود کتب کی تعداد چھ لاکھ سے متجاوز تھی۔ اسکندریہ کی یہ عظیم لائبریری جسے انسانی فکر کے ارتقا میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل تھی، عیسائی مذہب کے سائنس کے خلاف تعصب کی نذر ہوگئی۔ ۳۹۰ء میں پشپ تھیوفیلس کے فتویٰ کی بنا پر اسے نذرِ آتش کردیا گیا۔ ان کتب کی کوکھ سے جن مشہور ومعروف سائنسدانوں نے جنم لیا، ان میں اقلیدس (۳۲۳۔ ۲۸۵ قبل مسیح)، ارشمیدس (۲۸۷۔ ۲۱۲ قبل مسیح)، جالینوس (۱۲۹۔ ۲۵۹ء) اور بطلیموس (۹۵۔ ۱۶۸ء) وغیرہ شامل ہیں۔

اسی یونیورسٹی سے وابستہ ایک مشہور معلّمہ جس کا نام ہائی پیشیا (Hypatia) تھا، عیسائی تعصّبات کا شکار ہوگئی۔ وہ فلسفہ ارسطو کی تشریحات میں مہارت رکھتی تھی۔ ایک دن وہ اپنے مدرسہ جارہی تھی کہ پادریوں اور عیسائی راہبوں نے اسے گھیر لیا اور بیچ بازار میں کپڑے پھاڑ کر اسے بالکل برہنہ کردیا پھر گھسیٹتے ہوئے ایک گرجا میں لے گئے اور وہاں مقدس عصائے پطرس کی متواتر ضربات سے اس کا سر پاش پاش کرڈالا۔

## مسلمانوں میں علوم کا فروغ

مسلمان سائنسدانوں نے علم کائنات، علم حشرات الارض وحیوانات، علم نباتات، علم جہاز رانی،

www.KitaboSunnat.com

جغرافیہ وحساب، علم طب یعنی علم الابدان، علم ریاضی، علم کیمیا، علم طبیعات، علم فلکیات، علم توانائی اور علم تعمیرات وغیرہ سے دنیا کو روشناس کرایا۔ جن عظیم مسلمان سائنسدانوں نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان میں جابر بن حیان (۷۲۲۔ ۸۱۷ء) عبدالملک اصمعی (۷۹۰۔ ۸۳۱ء)، محمد بن موسیٰ الخوارزمی (۷۸۰۔۸۵۰ء)، یعقوب بن اسحٰق الکندی اور الجاحظ (متوفی ۸۶۹ء) وغیرہ شامل ہیں۔

مذکورہ بالا مسلمان سائنسدانوں کے جملہ علمی کارناموں کی مکمل تفصیل ایک ضخیم کتاب کی متقاضی ہے تاہم اِجمال وایجاز کے پیش نظر کچھ تفصیل حسبِ ذیل ہے

(۱) نور الدین طوسی: قطب الدین شیرازی (متوفی ۱۳۱۱ء) کا ذہین وفطین شاگرد تھا۔ اس نے نهاية الادراك فی دراية الافلاك لکھی جو 'شیرازی' کی علم نجوم پر مشہور تصنیف 'تذکرہ' کی ارتقائی صورت ہے۔ اس میں ہندسی مسائل پر بھی بڑے قیمتی مباحث ملتے ہیں، مثلاً رؤیت کی خاصیت اور قوسِ قزح (Rainbow) کی تشکیل۔ وہ پہلا سائنسدان تھا جس نے قوسِ قزح کی تشکیل کا ایک صحیح اور واضح حل پیش کیا۔

(۲) جابر بن حیان: بہت سی کتابوں کا مصنف تھا۔ وہ تجرباتی کیمیا کا بانی تھا۔ اس نے اپنی کتابوں میں فولاد بنانے، چمڑا رنگنے، دھاتوں کے مرکبات بنانے، دھاتوں کو مُصفّٰی کرنے، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لئے، اس پر وارنش کرنے اور بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے خضاب تیار کرنے کی طرح کے بیسیوں طریقے بیان کئے ہیں۔ جابر نے سفیدہ (Lead Carbonate)، سنکھیا (Asenic) اور سرمے (Antimony) کو ان کے سلفائیڈ (Sulphide) سے حاصل کرنے کے طریقے بتائے۔

(۳) محمد بن موسیٰ الخوارزمی: میدانِ ریاضی اور ہندسہ میں یدِطولیٰ رکھتا تھا۔ بالخصوص الجبرے کی مساوات پیش کرکے اس نے دنیاے ریاضی میں تہلکہ مچادیا۔ عالم اسلام کا یہ سب سے پہلا ریاضی دان تھا جس نے پوری دنیا کو الجبرا، جیومیٹری اور حساب کے ایسے ایسے اُصول مرتب کرکے دیئے جو سابقہ یونانی وروی علم ریاضی کو یکسر مات دے گئے۔ اس کی کتاب کا نام 'الجبر والمقابلہ' ہے۔

یورپی مصنّفین نے مسلمان فلاسفہ پر سخت تنقید کی ہے کہ انہوں نے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی بلکہ ساری عمر ارسطو کی پیروی اور اس کی تصانیف کی شرح واختصار میں صرف کردی۔ لیکن اس بے بنیاد الزام کی خود یورپ کے بعض فضلا نے تردید کی ہے۔ مشہور جرمن ریاضی دان ویدمان (wied mann) نے لکھا

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ عربوں نے بعض نظریات یونانیوں سے لئے تھے، لیکن انہوں نے ان نظریات کو اچھی طرح سمجھ اور پرکھ کر ان کا انطباق مختلف ادوار کے کثیر حالات پر کیا۔ پھر انہوں نے جدید نظریات اور اچھوتے مباحث پیدا کئے۔ اس طرح ان کی علمی خدمات نیوٹن اور دوسرے سائنسدانوں سے کم نہیں''۔ (اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ: جلد ۱۴/۱، ص ۳۲۲)

www.KitaboSunnat.com

حکمائے اسلام کے سوانح وتراجم کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ روم اور یونان کے علومِ عقلیہ کو خلافِ دین، حرفِ آخر یا جامد چیز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ خود اپنی ذاتی رائے رکھتے تھے۔ غوروفکر کرتے تھے، تجربہ ومشاہدہ سے کام لیتے تھے، ان علوم میں نئی چیزیں پیدا کرتے تھے اور دوسروں کے اَقوال پر تنقید بھی کرتے تھے۔ تعلیم وتعلّم اور افادہ واستفادہ کے لئے وہ اقصائے ترکستان سے 'مغرب' تک اور اندلس سے حجاز تک محوِسفر رہا کرتے تھے۔ علومِ طبیہ میں ان کے نظریات ونتائج حیرت انگیز ہیں اور ان میں سے بعض حکما مستقل دبستان ہائے فکر کے بانی تھے۔

## علم تاریخ

خاص طور پر ایک عنوان کے ماتحت 'علم تاریخ' کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کے ساتھ مسلمانوں سے زیادہ کسی نے اعتنا نہیں کیا۔ مسلمانوں سے قبل تاریخ محض بے سند واقعات پر مبنی تھی، جسے توہم وخرافات اور قصہ وداستان وغیرہ کا مجموعہ سمجھا جاسکتا ہے۔ مسلمان چونکہ امر واقعہ کی صداقت کے لیے مستعد رہتے تھے، لہٰذا انہوں نے علمی بنیادوں پر علم تاریخ کی بنیاد رکھی، جس کے لیے انہوں نے شہادت، روایت اور درایت تینوں کو اہمیت دی، انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں سند کی مسلسل جستجو کی اور رواۃ کے حالات وتراجم اس سعی وتلاش سے بہم پہنچائے کہ اسے ایک عظیم فن بنا دیا۔

ابن خلدون فلسفہ تاریخ کا موجد ہے۔ اس نے درایت کے اصول مرتب کیے اور اس امر کی تشریح کی کہ راویوں کی جرح وتعدیل کے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن بھی ہے یا نہیں؟ امام محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کی 'تاریخ الرسل والملوک'، البلاذری کی 'فتوح البلدان'، ابن کثیر کی 'البدایہ والنھایہ' اور 'طبقاتِ ابن سعد' وغیرہ تاریخ وسوانح کی عظیم کتابیں شمار کی جاتی ہیں جو کئی کئی مجلدات پر مشتمل ہیں۔

## بیت الحکمت کا قیام

یہ ایک علمی ادارہ تھا جس کی تاسیس ہارون الرشید یا اس کے بیٹے مامون الرشید (روایات میں اختلاف ہے) کے ہاتھوں انجام پائی۔ بغداد میں موجود اس دارالترجمہ اور دارالتصنیف میں مختلف ممالک کے رہنے والے مختلف مذاہب کے پیروکار اور مختلف زبانیں جاننے والے علما مصروفِ کار رہتے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ یونانی اور دیگر زبانوں میں موجود اہم علمی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا جائے۔ اس ادارے سے فلکیات کی رصدگاہیں (Observatories) بھی ملحق تھیں، ان میں سے ایک بغداد میں اور دوسری دمشق میں قائم کی گئی۔ جہاں مسلم سائنسدانوں نے بطلیموس (Ptolemaeus) کی تیار کردہ قدیم تقویم کی تصحیح کی اور خاص طور پر نئی تقاویم ایجاد کیں۔

www.KitaboSunnat.com

سطورِ بالا میں مسلمانوں کے گزشتہ علمی عروج اور عیسائیت کا علم سے تصادم نیز یورپ کے علمی انحطاط کا احوال مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں ہم اپنی موجودہ کیفیات کا بخوبی جائزہ لے سکتے ہیں اور ان اسباب وعلل پر تفکر وتدبر کر سکتے ہیں جو ہمارے موجودہ انہیار و زوال کا باعث بنے۔ عالم اسلام کے نامور ادیب وداعی مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (متوفی ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء) رقمطراز ہیں:

''عالم اسلام کے لیے ضروری ہے کہ علم کی اس طرح تنظیم جدید کرے جو اس کی روح اور اس کے پیغام سے مطابقت رکھتی ہو۔ عالم اسلام نے قدیم دنیا پر اپنی علمی سیادت کا سکہ جما دیا تھا اور دنیا کی عقلیت وثقافت کے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا تھا۔ اس نے دنیا کے ادب اور فلسفہ کے جگر میں نشیمن بنایا تھا، صدیوں متمدن دنیا اس کی عقل سے سوچتی رہی، اس کے قلم سے لکھتی رہی اور اسی کی زبان میں تصنیف وتالیف کرتی رہی، چنانچہ ایران، ترکستان، افغانستان اور ہندوستان کے مصنّفین اور اہل علم اگر کوئی کتاب لکھنا چاہتے تھے تو عربی ہی میں لکھتے تھے۔

اگرچہ یہ علمی تحریک جو عہدِ عباسی کے آغاز میں شروع ہوئی تھی، یونان اور عجم سے متاثر تھی، اور اسلامی سپرٹ اور اسلامی فکر کی بنیاد پر قائم نہیں تھی اور اس میں علمی و دینی حیثیت سے متعدد خامیاں اور کمزوریاں تھیں، لیکن اپنی قوت وتازگی کی وجہ سے وہ پوری دنیا پر آندھی اور سیلاب کی طرح چھا گئی اور قدیم علمی نظام اس کے سامنے ٹھٹھر کر رہ گئے۔

اگر عالم اسلامی کی خواہش ہے کہ نئے سرے سے وہ اپنی زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو، اگر وہ عالمگیر قیادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو صرف تعلیمی خودمختاری ہی نہیں بلکہ علمی لیڈرشپ بھی بہت ضروری ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں، یہ مسئلہ بہت گہرے غور وفکر کا محتاج ہے اس کی ضرورت ہے کہ وسیع پیمانہ پر تصنیف وتالیف اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے، اس کام کے سربراہ عصری علوم سے اتنی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں جو تحقیق وتنقید کے درجہ تک پہنچتی ہو، اور اس کے ساتھ اسلام کے اصل سرچشموں سے پورے طور پر سیراب اور اسلامی روح سے ان کا قلب ونظر معمور ہو۔''

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ص ۳۵۱ تا ۳۵۳ از سید ابوالحسن علی ندوی)

سطورِ ذیل میں ہم ان اہم شعبوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جن میں مسلمانوں کو یدِطولیٰ حاصل ہونا چاہیے:

## ا۔ سائنس کی تعلیم

ہمیں اپنے تمام مسائل کے حل کے لیے جملہ وسائل کو بروئے کار لانے کے ساتھ ساتھ ان میں جدت کی تخلیق اور خود کفالت کی تحصیل کے لیے کیمیا (Chemistry)، طبیعات (Physics)، حیاتیات (Biology)، ریاضی (Mathematics) اور دیگر عصری علوم میں مہارت وممارست کی ضرورت ہے، انہی علوم میں دفاعی اور حربی مقاصد کے لیے ایٹمی قوت بھی شامل ہے جو کہ اسلام کا

www.KitaboSunnat.com

جزِ لاینفک ہے۔

## ۲۔ انگریزی زبان کی تعلیم

غیر مسلموں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لیے اور ان کو اسلامی نظریات وافکار سے روشناس کرانے کے لیے انگریزی بنیادی اہمیت رکھتی ہے جو صرف انگریزوں کی زبان ہونے کے باوجود دنیا کے قریباً تمام ممالک میں بولی، پڑھی، لکھی اور سمجھی جارہی ہے۔ سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلام کی نشر واشاعت میں ان تمام زبانوں سے کام لینا چاہیے جو عوام الناس میں رائج ہیں۔ (الدعوۃ الی اللہ واخلاق الدعاۃ: ص ۲۵)

## ۳۔ کمپیوٹر کی تعلیم

اسلام میں اکثر اشیا اپنے عمومی استعمال کی بنا پر جائز ہیں۔ مثلاً چاقو عام طور پر مختلف اشیا یعنی پھل اور سبزی وغیرہ کاٹنے کے لیے مستعمل ہے جو کہ جائز ہے۔ لیکن اسی سے جب کسی انسان کو موت کے گھاٹ اتارا جائے تو اس وقت یہ ایک قبیح ومکروہ اوزار اور آلہ قتل متصور ہوگا۔

ایسے ہی کمپیوٹر (Computer) کا استعمال ہے جس سے عام طور پر تجارت وغیرہ ایسے مباح اُمور کے لیے خاطر خواہ فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ان سب کے باوجود قطعی فیصلہ عموم کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ اکثریت جس کام کو کرے، مشاہدات ونتائج اسی سے مرتب کیے جاتے ہیں چنانچہ اس بات میں ذرا بھی جھوٹ نہیں کہ نوے فی صد سے زیادہ لوگ کمپیوٹر میں انٹرنیٹ کے ان پروگراموں کو استعمال کرتے ہیں جو ہمہ وقت عریانی وفحاشی کے مہلک زہر کو نوجوان نسل کی شریانوں میں اُتار رہے ہیں اور اگر مبالغے پر محمول نہ کیا جائے تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہونگے کہ کاروبار وغیرہ کا تو جھانسا ہے ورنہ انٹرنیٹ (Internet) کی ایجاد اسی مقصد کیلئے ہوئی ہے کہ اس قوم کی اخلاقیات کے قلعے مسمار کردیئے جائیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ علم جہاں کامرانی، اقتدار، قیادت اور تہذیبی سربلندی کا ذریعہ ہے وہاں تہذیبِ اخلاق کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ بقولِ شاعر

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ !

بدقسمتی سے مغرب میں مدتِ دراز سے علم کے ارتقا کا تعلق انسانی بہبود وفلاح اور اخلاقی استحکام کے ساتھ برقرار نہیں رہ سکا۔ اس نے انسان کے اخلاقی وجود کو نظرانداز کر کے علم کو محض مال وزر، طاقت کے حصول اور آسانیوں کی فراہمی کا وسیلہ بنالیا ہے۔ چنانچہ معاشرے کی فلاح وبہبود کا محض مادّی پہلو پیش نظر رہ گیا ہے اور حقیقی انسانیت سے ماورا اخلاقی پستیوں کے خوگر مصنوعی معاشرے وجود میں آ گئے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

مغرب سے آنے والے جدید علوم اور ثقافتی تصورات مشرق کے لیے من وعن قبول کرنے کے لائق نہیں۔ ان میں مغربی دنیا اس قدر غرق ہوچکی ہے کہ نہ تو کسی اچھے معاشرے کی تشکیل میں کامیاب ہوسکے گی اور نہ فرد کا ارتقا صحت مند طریقے سے ہوسکے گا۔ مغرب کے پاس معلومات کا ڈھیر تو ہے اور وہ فارمولے بھی ہیں جن کے ذریعے کائنات کی توانائیوں سے ہزارہا کام لیے جاسکتے ہیں مگر وہ اصول ونظریات نہیں ہیں جو ان معلومات کو سلیقہ مندی سے استعمال کرنے کے لیے روشنی فراہم کرسکیں۔ ٹیکنالوجی میں اس قدر ترقی کے باوجود مغرب کے لوگوں میں حقیقی زندگی جو اصل اخلاقیات سے متصف ہو، عنقا ہے۔

سب سے اہم مسئلہ ان کے اخلاقی انحطاط کا ہے۔ یورپین ممالک اور امریکہ وغیرہ کے لوگوں میں مادر پدر آزادی اور رندمشرب خیالات کا فروغ زوروں پر ہے۔ اسی اخلاقی اور معاشرتی پستی نے ان کو انسانیت سے نکال باہر کیا ہے جو حیوان سے بھی بدتر کردار کے حامل ہوچکے ہیں۔ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر چھ منٹ کے بعد عصمت دری کا ایک واقعہ سرزد ہوجاتا ہے۔ جب کہ سویڈن میں ستر فی صدی کنواری لڑکیاں شادی سے قبل حاملہ ہوجاتی ہیں۔

حضرت عثمانؓ کا فرمان ہے کہ ''ایک زانیہ عورت کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ (دنیا میں موجود) تمام عورتیں زنا کریں''.....اسی فرمان کی صداقت موجودہ حالات کے حقیقت پسندانہ تجربہ سے واضح ہوتی ہے۔ کہ مغرب محض اپنے دامِ فریب میں پھنسانے کے لیے تجارت میں سبقت (Advancement) وغیرہ کا دھوکہ دیتا ہے حالانکہ وہ دراصل اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کررہا ہوتا ہے اور یہود جیسی گھاگ، سرد وگرم چشیدہ اور گرگ باراں دیدہ قوم سے یہ کچھ بعید بھی نہیں جن کے مکائد و دسائس ہمیشہ اہل اسلام کی مزاحمت ومخالفت میں مصروفِ کار رہے ہیں۔

دانا حضرات کا قول ہے کہ اگر کسی بڑے نقصان سے بچاؤ کے لیے کسی چھوٹے فائدے سے صرفِ نظر کرنا پڑے، تو یہ خسارے کا سودا نہیں۔ کیا پاکستان جیسی اسلامی نظریاتی مملکت میں کاروبار اور معلومات وغیرہ کی زیادتی کے لیے اس علانیہ فحاشی سے بے پروا ہوا جاسکتا ہے جو بتدریج وطن مالوف کی جڑوں کو کھوکھلا کررہی ہے۔ یہ قدامت پسندی نہیں بلکہ پیش آمدہ خطرے سے بچاؤ کی تدبیر ہے۔ کیا کمپیوٹر یا انٹرنیٹ کی ایجاد سے قبل پاکستان کے لوگ بھوکے مرتے تھے یا فاقے کرتے تھے۔ یا اب ہمارا ستارۂ حیات کون سی بلندی پر محوِ گردش ہے؟ وہی کفار ملعونین کے قرضوں سے وطن عزیز کی مصنوعی ترقی (سبقت) پنجہ یہود کی بے رحم وظالم گرفت میں ہے۔ ان اشیا کی افادیت کے راگ الاپنے والے بتائیں کہ ان کے لیے کون سی ترقی کا حصول ممکن ہوا ہے؟

بہرکیف اگر ہم باوجود کوشش کے اپنی قوم کے سرمایۂ مستقبل یعنی نوجوانوں کو اس لعنت سے دور نہیں

www.KitaboSunnat.com

رکھ سکتے تو کم از کم اس کی اصلاح کی بقدرِ استطاعت جدوجہد کی جانی چاہیے۔ مسلمانوں کے اہل فکر ونظر طبقہ پر لازم ہے کہ وہ انٹرنیٹ کی تعلیم حاصل کر کے اس میں موجود شرعی واخلاقی قباحتوں اور برائیوں کو فی الفور ختم کرے۔ شاید یہ عمل ہی ملتِ اسلامیہ کے نوجوانوں کو اس گہرے کنویں میں گرنے سے بچالے جس کی تہ میں سوائے مہلک کانٹوں اور زہریلے بچھوؤں کے اور کچھ نہیں۔ اعاذنا اللہ من ہذہ الخرافات!

ہم نے اللہ کی نصرت وتائید سے علومِ دنیوی میں مسلمانوں کے وافر عمل دخل کا کچھ ذکر کیا ہے، جس سے اس حقیقت کا اِدراک آسان ہو جاتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان سائنسدانوں کا موجودہ سائنسی ترقی میں تحقیقی وتنقیدی کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے اور عصر حاضر کی بیشتر ترقی ان کی سائنسی کاوشوں کی مرہونِ منت ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام کی موجودہ علمی اور سائنسی کیفیت کا بھی اجمال سے مگر بغور جائزہ لیا جائے، تاکہ تشنگی باقی نہ رہے۔

دورِ حاضر میں عالم اسلام کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیش رفت خاصی مایوس کن ہے، جس کا اندازہ ذیل میں دیئے گئے اَعداد وشمار سے لگایا جاسکتا ہے۔ ۵۶ آزاد اور خودمختار اسلامی ممالک کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا بیس فیصد (تقریباً سوا ارب) ہے۔ اس آبادی کا تقریباً چالیس فیصد حصہ اَن پڑھ ہے۔ تمام اسلامی ممالک میں موجود یونیورسٹیوں کی تعداد تقریباً ۳۵۰ ہے، جن میں پنجاب یونیورسٹی (لاہور ۱۸۸۲ء) انڈونیشیا یونیورسٹی (جکارتہ ۱۹۵۰ء)، تہران یونیورسٹی (دانش گاہ، تہران ۱۸۵۱ء) جامعہ ملک سعود (ریاض ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۷۷ھ/۱۴ نومبر ۱۹۵۷ء) اور جامعۃ الازہر (قاہرہ، مصر ۹۷۰ء) وغیرہ شامل ہیں۔ ان یونیورسٹیوں سے سالانہ تقریباً ایک ہزار افراد پی ایچ ڈی کرتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ان اسلامی ممالک کی مجموعی افرادی قوت صرف ۸۰ لاکھ کے قریب ہے، جو ان شعبوں میں مصروفِ عمل عالمی آبادی کا تقریباً چار فیصد ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال ایک لاکھ سے زائد سائنسی کتب اور ۲۰ لاکھ سے زائد سائنسی مقالات شائع ہوتے ہیں، جب کہ اسلامی ممالک سے شائع ہونے والی سائنسی اور تحقیقی کتب اور مقالات کی سالانہ تعداد ایک ہزار سے تجاوز نہیں کرسکی۔

یہ ان اسلامی ممالک کا مجموعی حال ہے، جن کی آزاد مملکتیں کرۂ ارض کے تقریباً تین کروڑ مربع کلومیٹر پر محیط ہیں، جو تیل کے پوری دنیا میں موجودہ ذخائر کے تین چوتھائی حصے کے مالک ہیں اور جنہیں اپنے لامحدود بے شمار قدرتی وسائل سے استفادہ کی سہولت حاصل ہے۔ اس کے باوجود علومِ جدیدہ میں مغرب سے مسابقت کے بجائے غفلت اور تساہل نے اسلامی ممالک کو ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ عوام الناس کے خیال میں عصری علوم کی تحصیل محض مادّیت کی پرورش ونمو کا سبب ہے اور اس سے مفید امور کی انجام دہی ممکن نہیں۔ جب کہ ایسا نہیں، اسلام نے ان علوم کی درس وتدریس سے منع کیا ہے، جو کسی بھی پہلو سے اسلام کے لیے مضر اور نقصان دہ ثابت ہوں۔ جب کہ جو علوم نوعِ بشری کو

www.KitaboSunnat.com

حقیقی کامیابی سے ہمکنار کریں اور انہیں فطرت کے اسرار سے آگاہی عطا کریں، ان کی تحصیل اور تدریس تو اسلام میں پسندیدہ ہے۔ شاید اسی سوچ کا یہ ثمر ہے کہ اسلامی ممالک کی مجموعی قومی پیداوار ایک ہزار ایک سو پچاس ارب امریکی ڈالر ہے، جب کہ صرف جرمنی کی قومی پیداوار ۲ ہزار ۴ سو ارب ڈالر اور جاپان کی پانچ ہزار ایک سو ارب ڈالر ہے۔ مسلم ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی تحقیق پر مجموعی طور پر جو رقم خرچ کی جاتی ہے، صرف جرمنی اس سے دوگنا اور جاپان چار گنا زائد رقم خرچ کرتا ہے۔

عالمی تناظر سے ہٹ کر بالخصوص پاکستان میں اس وقت ۲۵ کے قریب یونیورسٹیاں ہیں، جن میں اعلیٰ تعلیم کی ۱۴، انجینئرنگ کی ۸ اور ۳ زرعی یونیورسٹیاں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سائنس اور آرٹس کے ۸۰۰ کالج ہیں، جن میں خواتین کے ۲۹۶ کالج بھی شامل ہیں۔ پرائمری اور مڈل سکولوں کی خاصی تعداد ہونے کے باوجود پاکستان کی ۵۹ فیصد (تقریباً آٹھ کروڑ) آبادی کبھی تعلیمی اداروں میں نہیں گئی۔ ایک حالیہ تحقیقی رپورٹ کے مطابق سوا کروڑ خواتین مکمل ناخواندہ ہیں۔ ریسرچ اور ڈویلپمنٹ سے منسلک سائنسدانوں کی تعداد امریکہ میں ساڑھے نو لاکھ سے زائد اور جاپان میں آٹھ لاکھ کے قریب ہے، جب کہ پاکستان میں صرف ۱۲ ہزار کے قریب ہے۔ یہاں سائنس کے مضامین میں ڈاکٹریٹ کرنے والوں کی تعداد سالانہ ۴۰، ۵۰ ہوتی ہے۔

پاکستان میں ناخواندگی اور سائنس وٹیکنالوجی میں انحطاط کا بنیادی سبب حکومتی سطح پر شعبۂ تعلیم سے قیامِ پاکستان سے آج تک مسلسل بے توجہی ہے۔ پاکستان اپنی قومی پیداوار کا بمشکل ۲ فیصد (۲۱ ارب روپے) عام تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں امریکہ میں قومی پیداوار کا ۵.۶ فیصد (۲۶،۷۸۴ ارب روپے) جاپان میں ۳.۶ فیصد (۹،۱۲۶ ارب روپے) جرمنی میں ۴.۸ فیصد (۳۱۴، ارب روپے) اور فرانس میں ۶.۱ فیصد (۹۶.۴ ارب روپے) تعلیم کے شعبے میں خرچ کیے جاتے ہیں۔

پاکستان میں ہر دس لاکھ آبادی میں ۴ ہزار، جاپان میں ۶۳۰۹، جرمنی میں ۳۸۴۳ اور فرانس میں ۲۵۸۴ سائنسدان ہیں۔ پاکستان پسماندہ ممالک کے مقابلے میں بھی بہت کم وسائل تعلیم پر صرف کر رہا ہے۔ ایران، ترکی اور ملائشیا اپنے کل بجٹ کا ۲۰ فیصد، نیپال اور سری لنکا ۱۰ فیصد اور بنگلہ دیش ۱۷ فی صد تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ پاکستان کے ۵۵ فیصد لڑکے اور ۷۵ فیصد لڑکیاں اَن پڑھ ہیں۔ بچوں کی کل آبادی کا صرف ۴۰ فیصد سکول جاتا ہے، جب کہ بھارت میں یہ شرح ۹۰ فیصد اور بنگلہ دیش میں ۷۸ فیصد ہے۔ ۱۹۹۸ء میں میاں نواز شریف نے قومی پیداوار کا ۳ فیصد ۱۹۹۹ء سے تعلیم کے لیے مختص کرنے کا اعلان کیا تھا، جس پر تاحال پرویز مشرف حکومت نے عمل نہیں کیا اور تعلیم پر اس وقت ۲ فیصد سالانہ کے قریب ہی خرچ ہو رہا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

بہرکیف، ایک ترقی پذیر اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں پسماندہ ملک ہونے کے باوجود پاکستان کی ایٹمی قوت میں خودکفالت ایک خوش آئند امر ہے۔ یہ اعزاز پوری اسلامی دنیا میں صرف پاکستان ہی کو حاصل ہے۔ ایٹمی شعبے میں بالخصوص اور دیگر سائنسی شعبوں میں بالعموم پاکستان اٹامک انرجی کمیشن (۱۹۵۵ء)، پاکستان اکیڈمی آف سائنسز (۱۶ فروری ۱۹۵۳ء) اور پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیوکلیئر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی (جو پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کا اسلام آباد کے قریب واقع ایک ذیلی ادارہ ہے) مصروفِ کار ہیں۔ اگر ہم قومی سلامتی کے جملہ اُمور میں اغیار کی محتاجی چھوڑ کر اپنے بے شمار قدرتی وسائل سے استفادے کی صلاحیت حاصل کرلیں، تو کچھ عجب نہیں کہ ہم عالم کفر کی دریوزہ گری کے بجائے ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں۔

موجودہ دور میں اسلامی دنیا کی، جدید علوم میں کماحقہ دسترس اور مہارت کی عدمِ موجودگی نے مسلمانوں کو تقریباً ہر شعبۂ زندگی میں ترقی یافتہ ممالک، جن کی اکثریت کفار پر مشتمل ہے، کا غلام بنا دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کی تہذیب وثقافت اور معیشت ومعاشرت کے رذیل اثرات نے عالم اسلام پر اپنا تسلط قائم کرلیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی دنیا من حیث المجموع اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کے لیے عصری علوم میں قرونِ اولیٰ کی طرح آج بھی پوری دنیا پر اپنی سیادت و بالادستی قائم کرے اور یونیسکو وغیرہ کی علمی امداد ومعاونت سے مستغنی ہوکر اپنا مضبوط علمی بلاک تشکیل دے، جس میں دینی علوم کے احیا کے ساتھ عصری علوم کی، مسلم ماہرین کے زیرنگرانی از سرنو تدوین کی جائے، تاکہ مغربی ممالک پر کلی یا جزوی انحصار کے بجائے مسلمان خود دنیا کے جملہ شعبوں میں استیلا وغلبہ حاصل کرسکیں۔

آخر میں اس بات کی توضیح لازمی ہے کہ علومِ جدیدہ کی تحصیل میں اسلام کے جملہ زرّیں احکام کی پیروی ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ اسی سے اسلام کے منشاے حقیقی کی صحیح تکمیل ہوگی، وگرنہ دین اسلام سے روگردانی کرتے ہوئے دنیوی علوم کی تحصیل کی، نہ تو اسلام اجازت دیتا ہے اور نہ ایسے علوم انسانیت کے لیے حقیقی معنوں میں فائدہ مند ہوسکتے ہیں۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص مروّجہ علوم میں تو تمام ڈگریاں لے جائے، مگر دین میں بالکل کورا ہو، ایسے شخص کے حاصل کردہ علم کی نہ اسلام میں کوئی اہمیت ہے اور نہ اس کے حاصل کرنے والے کے لیے کوئی گوشہ ہے، کیونکہ دینی تعلیمات سے دور اور شیطانی افکار سے قریب ہونے کا نتیجہ سواے الحاد و بے دینی کے اور کچھ نہیں۔ درحقیقت دین اور دنیا میں توازن اور برابری ہی کا نام اسلام ہے۔ جہاں جابر بن حیان اور ابن ہیثم جیسے عظیم سائنسدان جنم لیں، وہاں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ایسے عظیم ائمہ دین بھی پیدا ہوں، تاکہ دنیوی مقاصد کی تکمیل کے ساتھ دینی روح بھی ضعف کا شکار نہ ہو جس کی تقویت اور مضبوطی ہر چیز سے مقدم ہے!!

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں

محمد اسلم صدیق

# شیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السُبیّل کا سانحۂ ارتحال

یہ دل فگار خبر نہایت غم و اندوہ کا باعث ہے کہ عالم اسلام کے مایہ ناز عالم، بیت اللہ کے امام اور خطیب فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل ،۲؍محرم ۱۴۲۳ھ بمطابق ۱۵؍مارچ بروز جمعہ ٹریفک حادثہ میں ۴۳ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رِحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ہفتہ کے دن، عصر کی نماز کے بعد مسجدِ حرام میں ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی، ہماری دعا ہے کہ اللہ انہیں آغوشِ رحمت ومغفرت میں لے اور انہیں وسیع جنتیں عطا کرے۔ آمین!

بیسویں صدی ملتِ اسلامیہ کے لئے بڑی افسوسناک ثابت ہوئی اور اس کے جسم و جان پر چرکے لگاتی گزر گئی، اکیسویں صدی کا آغاز بھی اس اعتبار سے کم ہولناک نہیں ہے کہ ایک طرف 'مانندِ آب ارزاں ہو گیا ہے مسلمان کا لہو' اور دوسری طرف اسلامی فکر کی معمار اور اسلامی احیا کی تاریخ ساز شخصیات ایک ایک کر کے اُمتِ اسلامیہ کو چھوڑ کر رخصت ہو رہی ہیں۔ کتنی ہی نادرۂ روزگار اور قد آور ہستیاں اس قلیل عرصہ میں عالم آخرت کو سدھار گئیں۔ انہیں ہمہ جہت شخصیات میں سے ایک تابناک ستارہ شیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل تھے جو چند روز قبل ایک عالم کو سوگوار چھوڑ کر عرب کی سرزمین میں غروب ہو گئے۔

## مولد اور تعلیم تربیت

الشیخ عمر السبیل ۱۳۷۸ھ بمطابق ۱۹۵۸ء کو قصیم کے شہر 'بکیریہ' میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے علومِ شریعت کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ ریاض کی مساجد میں قائم دینی حلقوں میں ریاض کے عظیم شیوخ وعلما سے مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے اور مسجدِ حرام کے علما سے کسبِ فیض کیا، اس کے بعد ۱۴۰۲ھ میں جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ سے علومِ شریعہ میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۴۰۶ھ میں ایم اے کیا، جس میں آپ کے مقالہ کا عنوان تھا أحكام اللقيط فى الفقه الإسلامى (فقہ اسلامی میں 'گمشدہ' کے احکام)۔ پھر اسی یونیورسٹی سے فقہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور فقہ اور اصولِ فقہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ پی ایچ ڈی کے مقالہ کا موضوع تھا:

''كتاب ايضاح الدلائل فى الفرق بين المسائل..... تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ''

www.KitaboSunnat.com

## شیخ کی عملی زندگی

۱۴۰۲ھ میں شیخ مسندِ تدریس پر متمکن ہوئے اور جامعہ الامام محمد بن سعود کے کلیۃ الشریعہ میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد ۱۴۰۳ھ میں جامعہ اُمّ القری کے کلیۃ الشریعہ میں منصبِ تدریس پر متمکن ہوئے۔

اس کے بعد ۱۴۰۵ھ میں 'مرکز الدراسات العلیا الاسلامیہ المسائیۃ' میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے اور پھر اسی سال ہی آپ کو جامعہ اُمّ القری کے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ کا وکیل بنا دیا گیا اور بعد میں آپ اسی کلیہ کے پرنسپل مقرر کر دیے گئے۔ ۱۴۱۳ھ میں شریعہ فیکلٹی کے ڈین نامزد ہوئے، اس کے علاوہ مسجدِ حرام میں امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

شیخ عمر بن محمد السبیل نے بابِ فہد کے قریب 'رواقِ عثمانی' میں ایک طویل عرصہ گزارا۔ آپ نے وہاں مسجدِ حرام میں امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ اپنا ایک حلقہ درس بھی قائم کیا۔ اس کے علاوہ آپ مسجد حرام کے علمی حلقوں میں بھی لیکچرز دیتے رہے۔ آپ عموماً ہفتہ اور اتوار کو عصر کی نماز کے بعد اپنا حلقہ درس قائم کرتے اور امام محمد بن عبدالوہاب کی کتاب قرۃ عیون الموحدین اور امام راغب کی کتاب 'فقہ الہدایۃ' کی تشریح میں لیکچر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اور ہزاروں تشنگانِ علم آپ کے سمندرِ علم سے سیراب ہوتے رہے۔ اسی طرح شیخ نے اپنی زندگی کا چالیس سالہ عرصہ مسجدِ حرام کے جوار میں درس وتدریس اور امامت وخطابت کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے گزارا۔

## شیخ کے اساتذہ

آپ نے جامعہ الامام محمد بن سعود سے علومِ شریعہ میں بی اے، پھر ایم اے کیا۔ اور فقہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اور اس دوران بہت سے اساتذہ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد جب آپ جامعہ اُمّ القریٰ میں استاد اور مسجدِ حرام کی امامت وخطیب کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے تو بھی آپ نے تحصیل علم کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور برابر حصولِ علم میں مشغول رہے۔ اس دوران آپ نے شیخ حافظ محمد اکبر، جو مسجدِ حرام میں مدرس تھے، سے قرآن حفظ کیا اور ان سے قراءۃِ حفص کی 'اجازۃ' حاصل کی۔ شیخ عبداللہ بن حمید اور سماحۃ الشیخ عبداللہ بن باز سے بھی کسبِ فیض کرتے رہے۔ اس کے علاوہ شیخ عبداللہ بن عدنان سے علم فقہ میں دسترس حاصل کی، جو 'کبار علماء کونسل' کے رکن اور علم فقہ میں مہارتِ تامہ کے حامل تھے۔

www.KitaboSunnat.com

## عادات وخصائل

شیخ ایک بلند پایہ عالم، فقیہِ جلیل، محدثِ نبیل، داعیٔ عظیم، عاجزی وانکساری کا اعلیٰ نمونہ، ہر وقت علم کے حریص، حلم وبردباری کے پیکر، شب زندہ دار اور اس کے علاوہ بے شمار خوبیوں اور صفاتِ جلیلہ سے متصف تھے۔ دعوت وتبلیغ کا انداز پر حکمت اور منفرد تھا۔

ذیل میں ہم شیخ کے متعلق چند معاصر علما کے تعریفی کلمات ذکر کرتے ہیں جو شیخ کی زندگی کے بعض گوشوں کو اجاگر کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوں گے۔ اور اس سے شیخ کے اوصافِ حمیدہ کا اندازہ بھی بخوبی کیا جاسکے گا۔

مسجدِ حرام کے امام اور خطیب، مجلس شوریٰ کے رئیس شیخ صالح بن عبداللہ بن حمید نے آپ کی وفات پر گہرے غم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وفات کو ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک حادثہ فاجعہ قرار دیا اور فرمایا:

كان الشيخ عمر السبيل رحمه الله من أهل الفضل والعلم ومن عقلاء الرجال وقد نشأ نشأة صالحة وقد رزقه الله علمًا وفقهًا

''شیخ عمر السبیل رحمہ اللہ علم وفضل کے حامل اور ذہین ترین لوگوں میں سے تھے اور نیکی کے ساتھ ساتھ علم وفقہ کا انہیں وافر حصہ ملا تھا۔''

وہ مزید فرماتے ہیں کہ ''شیخ اپنے طلبا کے محبوبِ نظر، وقت کے سختی سے پابند اور باطنی وظاہری اوصاف سے آراستہ اور استقامت کے پہاڑ تھے۔''

ڈاکٹر ابن حمید فرماتے ہیں کہ

''بلاشبہ الشیخ عمر السبیل کی وفات ملتِ اسلامیہ کے لیے عظیم خسارہ ہے، لیکن دل اللہ کے فیصلہ پر مطمئن ہے اور ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ کو پسند ہے إنا لله وإنا إليه راجعون''

## حسن خلق اور تواضع انکساری

شیخ جہاں ایک بڑے داعی، عظیم مبلغ اور مصلح تھے، وہاں عامل بالکتاب والسنۃ، نیکی سے محبت کرنے والے، برائی سے نفور کرنے والے اور حسن خلق اور عاجزی وانکساری کا اعلیٰ نمونہ بھی تھے۔

مسجدِ حرام کے امام اور خطیب فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن سدیس نے آپ کی وفات پر گہرے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''بلاشبہ آج ہم ایک عزیز بھائی، نامور عالم اور عظیم فقیہ سے محروم ہوگئے۔ انہوں نے اپنے علم کو مسجدِ حرام کے منبر کے لیے پیش کر دیا اور بے شمار طلبا آپ کے علم سے سیراب ہوئے۔ مرحوم حسن

www.KitaboSunnat.com

اخلاق کا مجسمہ، انتہائی مشفق، خیر سے محبت کرنے والے اور اس کا پرچار کرنے والے تھے۔ آپ کتاب اللہ کے حافظ، عالم اور اس کے احکام پر سختی سے کاربند تھے۔''

## خیر و برکت کی علامت

آپ کی وفات پر مسجدِ حرام کے رئیس المؤذنین شیخ علی ملا نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''الشیخ ڈاکٹر عمر السبیل کی وفات ہمارے لیے ایک عظیم حادثہ سے کم نہیں۔ مرحوم ضبطِ نفس اور تواضع وامانت ودیانت کے پیکر اور خیر و برکت کی علامت تھے، دعوت وتبلیغ میں حسن خلق آپ کا نمایاں وصف تھا، علومِ دینیہ کے معلم اور طلباءِ علم سے محبت کرنے والے تھے۔

آپ اپنے والد فضیلۃ الشیخ محمد السبیل (بیت اللہ کے امام اور خطیب) کے ساتھ معہدِ حرم شریف میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور طلبا کی ایک بڑی تعداد ان کے علم سے مستفید ہوئی۔ اس کے بعد آپ جامعہ اُمّ القریٰ کے کلیۃ الشریعۃ میں مسندِ تدریس پر متمکن ہوئے۔''

## دعوت وتبلیغ کا منفرد اُسلوب

شیخ عمر السبیل اپنے دل میں اُمت کے لئے درد اور خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے ایک عظیم مبلغ تھے اور وہ تمام صفات آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں جو ایک داعی کا طرۂ امتیاز ہوتی ہیں۔ چنانچہ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد الخریم نائب چیئرمین 'ادارۃ شؤونِ حرمین' نے آپ کی وفات پر گہرے رنج واَلم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''آج ہم ملت اسلامیہ کے ایسے فرزندِ ارجمند سے محروم ہو گئے جو اللہ کی اطاعت اور بیت اللہ کے جوار میں پروان چڑھے اور پھر بیت اللہ الحرام کی مسندِ امامت وخطابت پر متمکن ہوئے۔ آپ عفو ودرگزر اور شفقت ومحبت میں اپنی مثال آپ تھے۔ دعوت الی اللہ میں ﴿اُدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة﴾ کی عمدہ تصویر تھے۔ ہم ان کے خاندان اور والدِ گرامی الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔''

## شیخ کی اصابتِ رائے

شیخ کی صفات میں ایک خوبی ان کی 'اصابتِ رائے' تھی۔ چنانچہ الشیخ علی بن مدیش (سابق رکن مجلس شوریٰ) نے آپ کی وفات پر ان جذبات کا اظہار کیا۔

''خطیب وامامِ حرم فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیلؒ اصحابِ فضل مشائخ میں سے تھے۔ آپ

www.KitaboSunnat.com

اصابتِ رائے کے حامل اور علم وعمل میں یگانۂ روزگار تھے۔مرحوم فقرا اور مساکین سے شفقت سے پیش آتے ،فقہی اور شرعی علوم پر مشتمل کتب کے مطالعہ کے بہت شائق تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی وسیع رحمت سے ڈھانپے اور ان کے اہل وعیال کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔''

## افراط وتفریط کے درمیان راہِ اعتدال کے حامل

شیخ عبدالعزیز بن صالح الحمید (چیف جسٹس صوبہ قصیم) نے شیخ کی وفات کو ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ کی وفات ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک بڑا خسارہ اور عظیم حادثہ ہے۔علم اور طلبا سے محبت اور کتاب اللہ سے شغف آپ کا امتیازی وصف تھا۔آپ افراط وتفریط کے درمیان مسلکِ اعتدال کے حامل تھے۔آپ نے اپنے والدِ گرامی الشیخ محمد السبیل جو خود بہت بڑے عالم اور ۴۰ سال تک مسجدِ نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔

ہم ان کے خاندان سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اللہ ان پر رحم فرمائے۔انہیں وسیع باغوں میں جگہ دے اور ان کے اہل خانہ اور دوست واحباب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔''

## علم کی نشانی

ڈاکٹر محمد الخریم نے شیخ کی وفات پر گہرے غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''آج ہم مسلمانوں کی ایک عظیم نشانی اور مسجدِ حرام کے امام سے محروم ہوگئے ہیں۔''

قحط الرجال کے جس دور سے آج ہم گزر رہے ہیں، شیخ جیسی نابغہ روزگار ہستی ملتِ اسلامیہ کے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔ وہ تو اپنا کام پورا کر کے چلے گئے ،اب ملت کے ذہین وفطین لوگوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان جیسی قد آور شخصیات کے خلا کو پر کریں۔ اور ضرورت ہے کہ موجودہ اور آئندہ نسلیں ان علما کے خلوص ،تقویٰ ،للّٰہیت، محنت ومشقت اور علم وکردار کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔اور ملت کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ [عربی ہفت روزہ 'الدعوۃ' ریاض، عدد ۱۸۳۴]

**افسوس ناک خبر:** قارئین محدث کے لئے یہ خبر بڑے دکھ کا باعث ہوگی کہ فہم قرآن انسٹیٹیوٹ کے پرنسپل پروفیسر عطاء الرحمٰن ثاقب کو ۱۹/مارچ کی صبح لاہور میں دہشت گردی کی ایک واردات میں شہید کردیا گیا۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل نوازے۔انا للہ وانا الیہ راجعون!

محدث کے آئندہ شمارہ میں ان کی خدمات وشخصیت پر مستقل مضمون شامل اشاعت ہوگا.....ان شاء اللہ!

www.KitaboSunnat.com

ایک مراسلہ

حافظ مبشر حسین

مخلوط انتخابات کے تناظر میں

# اتحاد وطن اور دین وملت کا اختلاف

## قومیت، ملت اور امت کی رنگ بدلتی اصطلاحیں

محترم ایڈیٹر ماہنامہ 'محدث' لاہور السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته !

'محدث' کا شمارہ مارچ ۲۰۰۲ء نظر نواز ہوا جس میں فکر ونظر کے ادارتی کالموں میں ''بھارتی مسلمان اور ہم!'' کے عنوان سے بھارتی مسلمانوں کی حالتِ زار کے پیش نظر ملتِ اسلامیہ کو سنجیدہ توجہ دلائی گئی ہے اور پاکستان کی اساس 'دوقومی نظریہ' کی بنیاد پر اسے پاکستان کا خصوصی مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ مسئلہ کی اہمیت تو مسلمہ ہے تاہم محدث مئی ۲۰۰۱ء صفحہ ۶۵ کے حوالے سے فٹ نوٹ میں جو قومیت اور ملت کا فرق بیان کیا گیا ہے کہ '' قرآن کی رو سے وطن، زبان، رنگ یا نسل کی مشترکہ بنیاد رکھنے والوں کو 'قوم' جبکہ مختلف اعتقاد ونظریات رکھنے والوں کو مختلف 'ملتیں' کہا گیا ہے۔'' محل نظر ہے، کیونکہ وہاں مجھے کہیں یہ فرق نہیں ملا بلکہ نسل کے ماسوا وطن، زبان یا رنگ کی مشترکہ بنیاد رکھنے والوں کو قرآن کی رو سے 'قوم' قرار دینے سے احتراز کا پہلو ہی اختیار کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں محدث کے مدیر اعلیٰ حافظ عبدالرحمٰن مدنی کی قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن لاہور میں 'ملت' کے موضوع پر اہم تقریر جسے بعدازاں محدث اگست ۱۹۸۲ء میں تحریری صورت میں شائع کیا گیا تھا، سے بھی وطن، زبان یا رنگ کی بنیاد پر 'قوم' قرار دینے کی تردید کی گئی ہے۔

تحریکِ پاکستان میں علامہ اقبالؒ نے مولانا حسین احمد مدنیؒ کے 'وطن کی بنیاد پر قومیت' کے تصور کو نہایت خوفناک قرار دیتے ہوئے اس پر برانگیختگی کا اظہار کیا تھا، ان کے اشعار یوں ہیں:

شیخ نہ داند رموزِ دین ورنہ زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست!؟

سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر از مقامِ محمد عربی ست!؟

علامہ اقبالؒ کی اس پرزور تردید پر مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے متبحر عالم دین 'وطن' کی اساس پر 'قومیت' کے تصور کی تائید کرنے کی بجائے معذرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے اور انہوں نے وضاحت کی تھی کہ 'وطن سے قومیت' کے تصور سے میری مراد 'اسلامی نظریۂ قومیت' پیش کرنا نہیں بلکہ عصر حاضر کی سیاسیات کی رو سے قومیت کا تصور سامنے لانا تھا کہ آج کل کی سیاسیات میں قومیں 'وطن' سے بنتی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے اُردو ادب میں آپ کو پاکستانی قوم، ہندوستانی قوم، امریکی قوم، جرمن قوم وغیرہ کا استعمال عام ملے گا۔ گویا ہمارا موجودہ لٹریچر جس 'قومیت کے تصور' کو پھیلا رہا ہے اسی کے خلاف (ایک چیلنج کے طور پر)، پاکستان دوقومی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا تھا۔ لہٰذا ماہنامہ محدث مارچ ۲۰۰۲ء کا ادارتی نوٹ سبقتِ قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

پاکستان کے دوقومی نظریے پر مختلف اوقات میں جو حملے پیہم ہوتے رہے اور پھر بنگلہ دیش کے الگ وجود کو اس حقیقت کی نفی قرار دینے کی جو اُپچ لگائی گئی تھی، اس کے بعد یہ مسئلہ مزید اہم ہو گیا ہے۔ آج کل اسلام اور سیکولرزم کی موجودہ کشمکش میں پھر یہ مسئلہ کھڑا کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ دنوں محدث کے ادارتی رکن جناب محمد عطاء اللہ صدیقی کے مخلوط انتخاب کے خلاف مکتوب بنام ارشاد احمد حقانی مطبوعہ روزنامہ 'جنگ' لاہور ۲۶، ۲۷، ۲۸ فروری اور یکم مارچ ۲۰۰۲ء پر جناب ارشاد احمد حقانی نے تبصرہ کرتے ہوئے اس نقطہ نظر کو زیر بحث لا کر 'دوقومی نظریہ' کو ایک 'مستقل اسلامی تصور' کی بجائے ایک سیاسی موقف کے طور پر اجاگر کی کوشش کی ہے اور یہ بحث بھی چھیڑ دی ہے کہ یہ کوئی پاکستان کی دائمی اساس نہیں ہے بلکہ حالات کے تحت اس پر نظر ثانی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں دیگر سیکولر دانش وروں کی طرح میثاقِ مدینہ میں 'امتِ واحدۃ' کے لفظ کو بھی اپنی دلیل بنایا ہے۔

جہاں تک اس دوقومی نظریہ کے سیاسی اور دینی ہونے کی بحث ہے، میں اس پر فی الحال تو کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ میرے نزدیک مسلمانوں کی سیاست دین کا حصہ ہے اور سابقہ ادوار میں بنی اسرائیل کے انبیاء ہی سیاست دان بھی ہوا کرتے تھے جیسا کہ حدیثِ نبوی ہے:

'كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء ..... الحديث (بخاری: ۳۴۵۵، مسلم: ۴۷۵۰)

''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے نبی کیا کرتے تھے۔''

لیکن میثاقِ مدینہ کے حوالے سے 'امتِ واحدۃ' کے لفظ سے جو مغالطہ دے کر ملک میں مخلوط انتخابات کے جواز کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی اصطلاح 'میثاقِ مدینہ' ہمارے ہاں بڑی معروف ہو گئی ہے اور عام دانشور حضرات ڈاکٹر حمید اللہؒ کو پڑھے بغیر یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ 'میثاقِ مدینہ' مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان کوئی خاص معاہدہ تھا جس کی تقریباً پچاس دفعات ہیں۔ حالانکہ ڈاکٹر حمید اللہؒ نے اپنی کتاب ''عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی'' (صفحہ ۷۵ تا ۹۶) میں 'میثاقِ مدینہ' پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس موقف کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے کہ ''میثاقِ مدینہ کوئی ایک خاص وقت کا معاہدہ نہیں تھا بلکہ انصار

www.KitaboSunnat.com

ومہاجرین کے درمیان اور اسی طرح یہود اور مسلمانوں کے مابین مختلف اوقات میں ہونے والے معاہدات کا ایک 'مجموعہ دفعات' ہے''۔ڈاکٹر حمید اللہؒ نے یہ رائے غالباً اس وجہ سے اختیار کی ہے کہ 'میثاقِ مدینہ' کی دستاویزی کتب سیرت مثلاً مغازی ابن اسحٰق، سیرت ابن ہشام اور البدایہ والنہایہ وغیرہ کا متن ان کے پیش نظر ہے جسے ایک خاص معاہدہ کے طور پر ثقہ محدثین اور مؤرخین نے صحیح (ثابت شدہ) قرار نہیں دیا جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں مذکورہ دستاویز کو پیش کرنے کے بعد امام بخاریؒ کے استاد مشہور محدث، مؤرخ اور ماہر اقتصاد وتمدن ابوعبید قاسم بن سلامؒ کے حوالے لکھا ہے:

وقد تكلم عليه أبو عبيد القاسم بن سلام في كتابه 'الغريب' وغيره بما يطول

''امام ابوعبید قاسم بن سلاّم نے اپنی غریب الحدیث وغیرہ کتب میں اس دستاویز کی صحت پر جرح کی ہے۔'' (البدایہ ۳/۲۲۶)

مندرجہ تنقید کے پیش نظر ہی اس دستاویز کو بعض محققین نے کوئی خاص یک وقتی معاہدہ کی بجائے مختلف اوقات کے معاہدوں کا مجموعہ قرار دیا ہے..... یہ بحث اگرچہ بظاہر لفظی لگتی ہے لیکن اس اعتبار سے یہ بڑی اہم ہے کہ اگر یہ 'مجموعہ معاہدات' بعد میں ایک دستاویز کے طور پر تیار ہوا ہو تو اس کی عربی عبارت ہمارے لیے حجت نہیں بن سکتی کیونکہ یہ عبارت حضور نبی کریم ﷺ کی بجائے بعد کے سیرت نگاروں کی اپنی تعبیر ہے، تاہم سیرت نگاروں کی عبارت کو بھی اگر پیش نظر رکھا جائے تو اس کا وہ مفہوم قطعاً نہیں بنتا جو دورِ حاضر کے سیکولر ایک ملک میں بسنے والے مسلم اور غیر مسلم کو 'امتِ واحدۃ' قرار دینے کے لیے 'کشید' کر رہے ہیں کیونکہ میثاقِ مدینہ کے متن میں، جہاں 'امتِ واحدۃ' کے الفاظ ہیں، یہود کو مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ مہاجرین اور انصار کو 'اسلامی مؤاخات' کی بنیاد پر 'امتِ واحدۃ' قرار دیا گیا ہے۔نص عبارت یوں ہے کہ

هذا كتاب من محمد النبى الأمى بين المؤمنين والمسلمين من قريش ويثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهدهم ، أنهم أمة واحدة من دون الناس

''محمد نبی کریم ﷺ کی طرف سے یہ تحریری فرمان قریشی، یثربی اور ان کے تابع ہو کر ان کے ساتھ ملنے والے اور جہاد کرنے والے مؤمنوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے کہ یہ سب (مسلمان) اپنے ماسوا (غیر مسلم) انسانوں سے الگ ایک امت ہیں'' (البدایہ: ۳/۲۲۴)

البتہ اس وثیقہ میں بعض مترجمین کی طرف سے بعد میں آنیوالی یہود اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت کے بارے میں موجود درج ذیل عبارت کا اردو ترجمہ بہت بڑی غلط فہمی کا باعث ہوا ہے جو یوں ہے

وأن يهود بنى عوف أمة مع المؤمنين، لليهود دينهم وللمسلمين دينهم (ص ۲۲۵)

www.KitaboSunnat.com

اس کا ترجمہ سیرۃ ابن ہشام کے اوّلین مترجم نے اس طرح کر دیا ہے

''بنوعوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر'ایک ہی امت' ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے جب کہ مسلمان اپنے دین پر.....!''

چنانچہ دیگر ترجمہ نگار غالباً اسے ثقہ ترجمہ سمجھ کر ہر جگہ اسی کی نقل کرتے چلے گئے۔

واضح رہے کہ یہ غلط ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظی ترجمہ کی مشکلات کے اسالیب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ بسا اوقات لفظی ترجمے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں۔ بائبل کے تراجم کے کرشمے اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

میرا مقصود یہ ہے کہ اس ترجمہ میں 'مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت' درست مفہوم پیش نہیں کرتا کیونکہ 'ایک ہی امت' ترجمہ غلط ہے۔ صحیح مفہوم، مسلمانوں کے حلیف کے طور پر الگ امت (جماعت) ہیں۔ گویا یہاں دوبارہ 'امت' کے لفظ لانے سے مراد قطعاً یہ نہیں کہ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کی اُمت میں شامل ہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہود مسلمانوں کے علاوہ ایک الگ امت ہوں گے کیونکہ ان کا دین مسلمانوں کے دین سے الگ ہے، البتہ معاہدے کی مذکورہ دفعہ (شق) میں وہ مسلمانوں کے ساتھ (بطورِ حلیف) متصور ہوں گے یعنی یہود کی مسلمانوں کے ساتھ 'معیت' ایک اُمت ہونے کی نہیں بلکہ 'حلیف' ہونے کی حیثیت بیان کی جارہی ہے۔ جس کی دلیل بعد میں الگ الگ دین کا حامل ہونا صریحاً بتا دی ہے۔

یہود کا مسلمانوں سے الگ اُمت ترجمہ اس لیے کیا گیا ہے کہ یہاں لفظ 'امت' تکرار کے ساتھ بطورِ نکرہ' استعمال ہوا ہے اور عربی زبان کا معروف قاعدہ ہے کہ جب نکرہ کا تکرار ہو تو اس سے مراد دو مختلف چیزیں ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے:

﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ (الم نشرح:۵،۶)

''بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے، بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔''

یہاں ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں دینے کا وعدۂ ربانی ہے اور ایک مرسل روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ گھر سے خوشی کی حالت میں باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ایک تنگی دو آسانیوں کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ پھر ان آیات کی تلاوت فرمائی ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ (تفسیر طبری، تفسیر عبدالرزاق بسلسلہ تفسیر سورۂ ہذا، حاکم، بیہقی)

مزید ایک مثال لفظ 'قوم' سے ہی لیتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى أَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾

www.KitaboSunnat.com

''اے ایمان والو! ایک قوم (قبیلہ) 'دوسری' قوم (قبیلے) کا مذاق نہ اڑائے۔ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے، وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں۔'' (الحجرات:۱۱)

یہاں 'قومیت' کی بحث پر گفتگو کرنے کی بجائے صرف مذکورہ عربی (نحوی) قاعدے کے ثبوت کے لیے ایک اور قرآنی استشہاد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اس آیت میں بھی لفظ 'قوم' کا تکرار ہے جبکہ لفظ 'قوم' نکرہ بھی ہے، اس لیے مذکورہ بالا نحوی قاعدے کے مطابق اس آیت کے دو بار استعمال ہونے والے لفظ 'قوم' سے دو الگ الگ قوموں (قبیلوں) کا مفہوم پیش کیا گیا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم سے (نسلی اختلاف کی بنیاد پر) تمسخر نہ کرے۔

مذکورہ نحوی قاعدے کے مطابق زیر بحث میثاقِ مدینہ کی عبارت کا صحیح مفہوم بھی واضح ہو گیا ہے کہ یہاں اُمت کے لفظ کا تکرار ہے اور لفظ اُمت نکرہ بھی استعمال ہوا ہے لہٰذا دستاویز میں موجود اگلی عبارت میں مذکورہ 'اُمت' سے مراد پہلی عبارت میں مذکورہ 'اُمت' نہیں بلکہ دونوں سے مراد دو 'الگ الگ امتیں' ہیں۔اس لیے عبارت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار مسلمان ہونے کی وجہ سے ایک الگ امت ہیں اور انہی کے ساتھ 'امۃ واحدۃ' کے الفاظ بطورِ تاکید استعمال ہوئے ہیں جبکہ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے علاوہ ایک الگ اُمت ہیں۔

گویا قواعدِ عربیہ کی روشنی میں صحیح ترجمہ بالکل اس کے برعکس ہے جو آج کل کے غلط تراجم سے ماخوذ ایک علاقہ کے رہنے والے مسلم اور غیر مسلم کو ایک اُمت باور کرانے کے مغالطہ کے لیے پیش کیا جارہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہود کو بھی اپنی اُمت میں شامل کیا ہے حالانکہ یہ بات گزشتہ تین وجوہات کی بنا پر قطعی غلط ہے، اس لیے غیر مسلم کسی صورت میں بھی مسلمانوں کے ساتھ یکساں اُمت نہیں ہیں خواہ میں وہ اکٹھے کیوں نہ رہتے ہوں۔اسی طرح مسلم اور غیر مسلم مشترکہ 'ملت' کے حامل بھی نہیں ہو سکتے خواہ وہ نسلی اعتبار سے ایک قوم ہی کیوں نہ ہوں۔قرآن کریم /الاعراف: آیت ۸۸ مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیے جو اس موقف کے لیے واضح دلیل ہے:

﴿ قَالَ الْمَلأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا..... الآية ﴾

''قوم شعیبؑ کی متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیبؑ، ہم تجھے اور تیرے ساتھ ایمان لانے والے لوگوں کو اپنے علاقہ سے نکال باہر کریں گے یا پھر تمہیں ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا.....''

آیتِ مذکورہ میں حضرت شعیب کی نسلی قوم کے سرداروں کی یہ بات وہ ایک نسل ہونے اور ایک علاقہ میں رہنے کے باوجود الگ ملت ہیں، دو قومی نظریے کی کتنی بڑی وضاحت ہے!!

www.KitaboSunnat.com

CPL No. 177 Vol: 34 No: 4

MONTHLY
# MUHADDIS
LAHORE

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں..... لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں..... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے..... لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے..... لیکن

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے..... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

..... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

## محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی شمارہ: ۲۰ روپے زرِسالانہ: ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
99-J, Model Town, Lahore-54700. Phones: 5866476, 5866396